اِس شمارے میں

نورِ ہدایت	اَپنے اَعمال کو ضائع ہونے سے بچائیں!		۵
نظر وفکر	قناعت؛ مطلوبِ مؤمن ہے	محمد سلمان منصور پوری	۶
درسِ حدیث	اَولاد کی فکر کیجئے!	مولانا اشہد رشیدی صاحب	۹
شعر واَدب	کلامِ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ	ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی	۱۳
مقالات ومضامین	حرمین شریفین کی خصوصیات وامتیازات	مولانا مفتی محمد اجمل قاسمی	۲۱
	دنیا میں کیا کیا ہوگا؟	مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری	۲۸
	دینی خدمت گذاروں کے حقوق	مولانا مفتی عبداللہ قاسمی	۳۵
	صدموں اور غموں بھرے لمحات	مولانا کلیم اللہ قاسمی	۴۰
	قلم کی کہانی؛ خود اَپنی زبانی	مولانا محمد سلیم ندوی بلگامی	۴۸
	انصارِ مدینہ میں سب سے پہلے.....	مولانا مفتی ابوجندل قاسمی	۵۳
عالمِ اِسلام	عالمِ اِسلام میں بڑھتی مسلکی خلیج	مولانا اسرار الحق قاسمی	۵۸
کتاب المسائل	تحریری طلاق کے متعلق مسائل	مفتی محمد سلمان منصور پوری	۶۱
منظومات	آپ کا مذہب سب سے سچا کل.....	ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی	۶۶
عالمی خبریں			ٹائٹل
جامعہ کے شب وروز	مہتمم جامعہ کی مشغولیات، جامعہ میں تعمیری سرگرمیاں، رمضان المبارک کے معمولات ونماز عید، وفیات		۶۷

نورِ ہدایت:

اَپنے اَعمال کو ضائع ہونے سے بچائیں!

ارشادِ ربانی: اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِنْ نَخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرَاتِ وَاَصَابَهُ الْکِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَا اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ، کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیَاتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ. (البقرة: ٢٦٦)

ترجمہ: ''کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اُس کا ایک کھجور اور اَنگور کا باغ ہو جس کے نیچے نہریں چلتی ہوں، اُس شخص کے اُس باغ میں طرح طرح کے پھل فروٹ ہوں، اور وہ (خود) بڑھاپے کی عمر کو پہنچ چکا ہو اور اُس کے (چھوٹے چھوٹے) کمزور بچے ہوں، پھر اُس باغ پر ایک آگ کا بگولہ آپہنچے جو اُسے جلا کر خاک کردے (تو ظاہر ہے کہ باغ کا یہ برا اَنجام کسی کو پسند نہ ہوگا) اِسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی باتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے؛ تاکہ تم سوچا کرو''۔

گذشتہ آیت میں صدقہ مقبولہ کا بیان تھا، اَب آگے تنبیہ کے طور پر یہ بتایا جارہا ہے کہ صدقہ کرنے کے بعد آدمی مطمئن ہوکر نہ بیٹھ جائے؛ بلکہ اُس کی حفاظت کی بھی فکر رکھے، اور حفاظت کی صورت یہ ہے کہ صدقہ کرکے نہ تو احسان جتائے اور نہ فقیر کو ایذا پہنچائے، اور نہ کوئی اور گناہ کا مرتکب ہو، ورنہ یہ بدعملیاں آگ کے بگولہ کی طرح صدقہ خیرات کے سب اَجر وثواب کو ضائع کرکے رکھ دیں گی۔

حضرت اِمام بخاریؒ نے اِس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ایک دن امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے پوچھا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ اِس آیت: ﴿اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ الخ﴾ کے نزول کا منشا کیا ہے؟ تو حاضرین نے عرض کیا کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ (یعنی اللہ زیادہ جانتا ہے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہوگئے اور فرمایا کہ صاف صاف کہو کہ ''تم جانتے ہو یا نہیں جانتے''۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (جو دیگر حاضرین سے کم عمر تھے) نے عرض کیا کہ مجھے ایک بات سمجھ میں آتی ہے (اِجازت ہو تو عرض کروں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میاں بھتیجے عرض کرو اور اپنے کو حقیر مت سمجھو''، تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: ''اِس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مال دار آدمی اولاً اچھے اَعمال کرے پھر اُس پر شیطان مسلط ہوجائے جو اُس سے برے اَعمال کرائے؛ تاآں کہ یہ برے اَعمال اُس کی نیکیوں کو ضائع کردیں''۔ (تفسیر ابن کثیر مکمل ۲۱۲)

مطلب یہ ہے کہ آیت بالا اگرچہ صدقہ کے ضمن میں وارد ہے، مگر اس کا مفہوم عام ہے کہ اِنسان کو خیر کے اَعمال کرنے کے بعد معاصی سے بچنے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے، ورنہ یہ معاصی نیکیوں کو غارت کردیتے ہیں اور دل سے طاعات کا نور اور توفیق سلب کرلیتے ہیں۔ (بیان القرآن ۱/۱۶۰)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے عمال خیر کی حفاظت کی توفیق سے نوازیں، آمین۔ □□□

نظر وفکر

محمد سلمان منصورپوری
Mansoorpuri
@gmail.com

قناعت؛ مطلوبِ مؤمن ہے

اِمام ابن القیم الجوزی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۱ھ) نے اپنے معرکۃ الآراء کتاب ''زادالمعاد'' میں نقل کیا ہے کہ ''قبیلۂ تجیب'' کے ۱۳؍حضرات پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ ہم اپنے قبیلہ کی زکوٰۃ وصدقات لے کر حاضر ہوئے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی بہترین ضیافت فرمائی اور اُن کی آمد پر خوشی کا اِظہار کیا، اور فرمایا کہ: ''تم جو صدقہ کا مال لائے ہو وہ اپنے ہی قبیلہ کے فقراء پر تقسیم کردو''۔ وفد کے لوگوں نے عرض کیا کہ ہم فقیروں کو دینے کے بعد جو زائد مال بچا ہے وہی لے کر حاضر ہوئے ہیں، اُن کے اِس طرزِ عمل پر سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''عرب میں قبیلۂ تجیب سے شاندار اور بہتر وفد کوئی نہیں آیا'' یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ہدایت تو اَصل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے، پس وہ جس کے ساتھ خیر کا اِرادہ کرتا ہے اُس کا سینہ اِسلام کے لئے کھول دیتا ہے''۔

پھر وفد کے حضرات نے کچھ دستاویزات پیغمبر علیہ السلام سے اپنے لئے لکھوائیں اور قرآن وسنت کی بہت سی معلومات حاصل کیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر اِس وفد کے لوگوں کی عمدہ ضیافت کا حکم دیا، وہ لوگ چند دن ٹھہرے پھر واپسی کی اِجازت چاہی کہ ہم واپس جا کر اَپنے قبیلہ والوں کے سامنے یہاں کی کارگذاری اور پیغمبر علیہ السلام کی زیارت وملاقات کا حاصل سنائیں گے۔

جب وہ لوگ رخصت ہونے لگے تو آپ نے اُن میں سے ہر ایک کو تحفوں سے نوازا اور چلتے ہوئے پوچھا کہ تمہارا کوئی اور ساتھی تو نہیں رہ گیا؟ اُنہوں نے کہا ہاں ایک نوعمر لڑکا ہے اُسے ہم اپنے سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ آئے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُسے بھی ہمارے پاس بھیجو، وہ بھی اَپنا حصہ لے جائے، چناں چہ اُن لوگوں نے واپس جا کر اُس لڑکے سے کہا کہ جاؤ تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد فرمایا ہے، وہ لڑکا پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میرا تعلق اُسی قبیلہ کے لوگوں سے ہے جن کو آپ نے اَبھی کچھ دیر قبل تحفوں سے نوازا ہے، آپ میری بھی حاجت روائی

فرمایئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تمہاری حاجت کیا ہے؟ تو اُس لڑکے نے کہا کہ میں آپ سے کسی دنیوی چیز کا طالب نہیں ہوں، میں نے تو اپنے علاقہ سے یہاں کا سفر صرف اِس غرض سے کیا ہے کہ آپ میرے حق میں تین باتوں کی دعا فرمادیں: (۱) اللہ تعالیٰ میری مغفرت فرمادے (۲) اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائیں (۳) اور میرے دل میں قناعت اور استغناء عطا فرمادیں، چناں چہ پیغمبر علیہ السلام نے اُس کے حق میں یہ دعائیہ جملے اِرشاد فرمائے:

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهٖ. — اے اللہ! اِس لڑکے کی مغفرت فرما، اور اِس پر رحم فرما اور اِس کے دل میں قناعت نصیب فرما۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس لڑکے کو دیگر اَرکانِ وفد کی طرح تحفوں سے نوازا، اور یہ سب لوگ خوشی خوشی اَپنے قبیلے کی طرف واپس ہوگئے۔

پھر ۱۰ھ ہجری میں حجۃ الوداع کے موقع پر اِس قبیلے کے کچھ لوگوں کی ملاقات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منیٰ میں ہوئی، تو آپ نے اُس لڑکے کا حال چال پوچھا، تو لوگوں نے بتایا کہ ''اُس جیسا تو آدمی ہی ہم نے نہیں دیکھا، اور اُس جیسی قناعت اور دنیا سے بے رغبتی کہیں سنی نہیں گئی، اُس لڑکے کا حال تو یہ ہے کہ اگر لوگ ساری دنیا کی دولتیں سمیٹنے لگیں تو وہ نہ تو اُن کی طرف متوجہ ہو اور نہ ہی نظر اُٹھا کر دیکھے''۔ یہ حال سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا شکر اَدا فرمایا اور اِرشاد فرمایا کہ: ''مجھے اُمید ہے کہ اُس بچے کی موت بھی دنیا سے یکسوئی کی حالت ہی میں آئے گی''۔ چناں چہ راوی کہتے ہیں کہ وہ لڑکا پوری زندگی بہترین دینی حالت پر رہا، دنیا سے بے رغبتی اور قناعت کے ساتھ اُس نے زندگی بسر کی، اور پیغمبر علیہ السلام کی وفات کے بعد جب اِرتداد کی وبا پھیلی تو اُس نے اپنی قوم کو نصیحت کی اور اُن کو اِسلام پر جمائے رکھنے میں اَہم کردار اَدا کیا، حتیٰ کہ اُس قبیلہ کا کوئی آدمی بھی مرتد نہیں ہوا، جب خلیفۂ اَول امیر المؤمنین سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ سب تفصیلات معلوم ہوئیں تو آپ نے علاقہ کے گورنر یزید بن لبید کو بطور خاص اُس لڑکے کی خبر گیری کی تاکید فرمائی۔ (تلخیص: زاد المعاد مکمل ۹۸۷ دار القلم دار المعرفہ بیروت)

اِس واقعہ سے ہمیں یہ نصیحت ملی کہ مسلمان کو سب سے زیادہ فکر اپنے گناہوں کی مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کی ہونی چاہئے، اور دنیا سے بے رغبت رہ کر اُسے زندگی گذارنی چاہئے، اور بے رغبت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیوی ترقی کو مقصود نہ سمجھے؛ بلکہ ضرورت سمجھ کر اُس میں مشغول ہو اور جو کچھ بھی

نصیب ہو اُس پر شکر کرتے ہوئے قناعت اِختیار کرے، یہی ایک کامیاب مسلمان کی پہچان ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ عالی ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ وَرَزَقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ. (شعب الإيمان للبيهقي ٧/ ٢٢٠)

وہ شخص کامیاب ہوگیا جس کو اِسلام کی دولت ملی، بقدرِ ضرورت روزی عطا ہوئی اور اللہ نے اُسے جو عطا کیا ہے اُس پر قناعت نصیب فرمائی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیغمبر علیہ السلام سے پوچھا کہ ہم میں سب سے اَچھا شخص کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

أَزْهَدُكُمْ فِي الدُّنْيَا وَأَرْغَبُكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ. (ذم الدنيا لابن أبي الدنيا ٦٢)

جو تم میں سب سے زیادہ دنیا سے بے رغبت ہو اور آخرت کی طرف زیادہ رغبت رکھتا ہو۔

بلاشبہ جس شخص کو قناعت کی دولت نصیب ہوجائے، وہ سچی راحت میں رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اُسے طبعی سکون سے نوازتے ہیں، اور جو قناعت سے محروم ہو وہ کروڑ پتی ہونے کے باوجود پرسکون زندگی سے محروم ہے۔ ارشادِ نبوی ہے:

إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا أَرْضَاهُ بِمَا قَسَمَ لَهُ وَبَارَكَ لَهُ فِيْهِ، وَإِذَا لَمْ يُرِدْ بِهٖ خَيْرًا لَمْ يُرْضِهُ بِمَا قَسَمَ لَهُ وَلَمْ يُبَارِكْ لَهُ فِيْهِ. (كتاب القناعة، مسند أحمد ٥/ ٢٤)

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ خیر کا اِرادہ فرماتے ہیں تو اُسے اُس عطا کردہ روزی پر راضی فرماتے ہیں، اور اُس میں برکت عطا کرتے ہیں، اور جس بندے کے ساتھ خیر کا اِرادہ نہیں فرماتے تو اُسے روزی پر قناعت نہیں ملتی اور نہ ہی اُس کی روزی میں برکت ہوتی ہے۔

اِس حدیث میں جو حقیقت بیان فرمائی وہ مشاہدہ اور تجربہ سے بالکل سچ ثابت ہوتی ہے، جو آدمی قانع ہوتا ہے اُس کے دل کے سکون کا پوچھنا ہی کیا، وہ جھونپڑی میں رہ کر اور معمولی روزی پر بھی دل سے خوش رہتا ہے، اور جس شخص کو قناعت میسر نہ ہو وہ کروڑ پتی اور اَرب پتی ہونے کے باوجود دن رات ''ہل من مزید'' کی اُدھیڑ بن لگا رہتا ہے، اور اُس کی زندگی کی تمام فکریں ''دنیاہائے دنیا'' کے اِردگرد گھومتی رہتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بے سکون زندگی ہرگز قابلِ تعریف قرار نہیں دی جاسکتی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دنیا وآخرت میں پرسکون زندگی نصیب فرمائیں، آمین۔

❍❖❍

درسِ حدیث:

اَولاد کی فکر کیجئے!

حضرت مولانا اشہد رشیدی صاحب مہتمم جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْعِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ، أَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْلَهٗ. (مشکوٰۃ شریف ۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے، تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، سوائے تین لوگوں کے: (۱) صدقۂ جاریہ کو چھوڑ کر جانے والا (۲) وہ عالم کہ جس کے علم سے فائدہ اُٹھایا جاتا رہے (۳) وہ شخص جس کی نیک اولاد اُس کے لئے دعا گو رہتی ہو۔

ایک فطری امر

ماں باپ کو فطرتاً اپنی اولاد سے محبت ہوتی ہے وہ ان کی ترقی اور کامیابی کو دیکھ کر مسرور وشاد ماں ہوتے ہیں، والدین کی ابتدا ہی سے خواہش ہوتی ہے کہ ان کا لال ایک باکمال، صاحب عزت، اور باحیثیت انسان کے روپ میں پرمسرت اور باوقار زندگی گذارے چنانچہ وہ اس کے لئے ان راہوں کا انتخاب کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں کہ جن پر چل کر وہ اپنے تابناک مستقبل کی خوش نما عمارت تعمیر کر سکے اور زندگی کے چیلنجوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرے۔ اسی تگ ودو میں مشغول وہ بچے کی انگلی پکڑے کبھی اس تعلیم گاہ میں جاتے ہیں اور کبھی اس میں۔

آج محنت سے جمع کی گئی پونجی میں سے اسکول کی فیس کے لئے رقم نکالتے دکھائی دیتے ہیں تو کل اپنی بہت سی ضروریات میں کٹوتی کرکے بچے کے ڈریس اور نصابی کتابیں خریدتے نظر آتے ہیں۔

رشتہ داروں اور دوست واحباب کی تقریبات میں شرکت سے گریز کرتے ہیں، اور ہر اس مصروفیت سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں جس سے کسی بھی طرح بچے کی تعلیم متأثر ہوتی ہو۔

ایک غلط تصور

عموماً والدین کی سوچ اس فانی زندگی تک محدود ہوتی ہے، وہ اپنے بچے کے لئے وہ سب کچھ کرنے کی

حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ جس کے ذریعہ وہ اطمنان وسکون سے ایک باوقار زندگی گذار سکے؛ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اس فانی زندگی کے بعد بھی ایک دوسری زندگی سے واسطہ پڑے گا جو کبھی ختم نہ ہوگی، اس میں ہر شخص کو پورے عدل وانصاف کے ساتھ اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، کسی کو انعام واکرام سے نوازا جائے گا تو کسی کو سزا وعذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا، وہ والدین کس قدر غلط سوچ اور زبردست بھول میں مبتلا ہیں جو صرف حیات فانی کی سرخروئی کو مقصد اصلی تصور کرتے ہیں، اور پوری جدوجہد اپنی اولاد کو ان راہوں پر چلانے میں صرف کردیتے ہیں، جو دنیاوی ترقی کی ضمانت دے سکیں، اور حیات ابدی (آخرت) سے بالکل غافل ہوجاتے ہیں۔

یہ محبت نہیں عداوت ہے

اگر آپ کا بچہ، ڈاکٹر، انجینیر، پروفیسر، یا بڑا صنعت کار تاجر اور سیاست داں بن گیا، تو اس کی دنیوی زندگی کے پرعیش اور سکھی گذرنے کی امید کی جاسکتی ہے؛ لیکن اگر وہ اسی کے ساتھ ساتھ بے نمازی بھی ہے، ماہ رمضان میں روزہ رکھنے سے جی چراتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ حرام وحلال میں کوئی تمیز نہیں کرتا، قرآن کریم کو کبھی اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، تو یقیناً وہ آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی میں زبردست مشکلات اور لامتناہی دشواریوں سے دوچار ہوگا۔

کیا کوئی باپ اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کا عزیز ترین اور خوب صورت بچہ آگ کا ایندھن بنے، اس کو بڑے بڑے قوی ہیکل سانپ بچھو ڈسیں شدید پیاس اور گرمی کے وقت اس کو پینے کے لئے ابلتا ہوا گرم پانی دیا جائے اور دیگر سخت ترین عذاب میں گرفتار کیا جائے، نہیں۔ یقیناً نہیں۔ پسند کرنا تو دور کی بات ہے کوئی اپنی اولاد کے لئے مندرجہ بالا مختلف عذابوں کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ تو پھر ان کو احکام اسلام کیوں نہیں سکھائے جاتے؟ حرام وحلال کے فرق سے ان کو کیوں آگاہ نہیں کیا جاتا؟ نماز روزہ حج زکوٰۃ کی اہمیت سے ان کو کیوں غافل رکھا جاتا ہے؟ اور اُن کی ایسی تربیت کیوں نہیں کی جاتی کہ جس کے ذریعہ ان کی ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی نہایت کامیابی اور سکون سے گذرے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ والدین کو اولاد کے تئیں ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ. (التحریم: ٦)

اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کی چھپٹیاں (ایندھن) انسان اور پتھر (ہوں گے)۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ بچہ محض ڈاکٹر، انجینئر اور سائنسداں وغیرہ بن کر اخروی خسران سے نہیں بچ سکتا؛ بلکہ اس کے لیے اخلاق حسنہ سے آراستہ ہوکر زندگی کے ہر موڑ پر اسلامی تعلیمات کو گلے لگانے اور اس پر عمل کر کے اللہ کو راضی کرنا ضروری ہے۔

ایک غلط فہمی

جب عوام الناس سے اسلامی تعلیم وتربیت کی بات کی جاتی ہے، تو اس کا مطلب یہ نکالتے ہیں کہ علمائے کرام ایڈوانس ایجوکیشن (علوم عصریہ) کی مخالفت کررہے ہیں، اور وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ بچے اسلامی علوم سے آراستہ ہوکر محدود دائرہ میں رہ کر زندگی گذار دیں کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ علماء قوم کے نونہالوں کو ناکارہ، جاہل اور احساس کمتری کا شکار بنانا چاہتے ہیں، لیکن حاشا وکلا، یہ بہتان عظیم ہے، ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ مسلم قوم کے نوجوان کسی اہم دنیاوی منصب پر فائز نہ ہوں، جدید تعلیم کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل نہ کریں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم نہ پائیں اور اس سائنسی دنیا کے تقاضوں پر پورے نہ اتریں۔

بلکہ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ کسی بھی دنیاوی عہدے منصب اور مقام پر پہنچنے کے بعد ایک پکے سچے مسلمان کی حیثیت سے زندگی گذاریں، وہ تاجر بعد میں ہوں مسلمان پہلے ہوں، ڈاکٹر انجینئر اور سیاستداں ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حقیقی مسلمان ہوں، حرام وحلال میں فرق کرتے ہوں، غیر اسلامی حرکات سے بچتے ہوں آخرت کی زندگی پر یقین رکھتے ہوئے اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہوں۔ اکبرالہ آبادی مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں جھولو ❖ جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ کو چھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کی رہے یاد ❖ اللہ اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

آج عیسائی مشنری اسکولوں میں اکثریت مسلم بچوں اور بچیوں کی دکھائی دیتی ہے، جہاں معصوم ذہنوں میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کئے جاتے ہیں، تثلیث کے مشرکانہ عقیدہ کا زہر مختلف حربوں سے ناپختہ ذہنوں میں انڈیلنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اسلامی اخلاقیات پر بنیاد پرستی کا لیبل لگا کر اس سے دور رہنے کی تلقین کی جاتی ہے، نتیجتاً مسلم گھرانوں میں جنم لے نے والا مسلم بچہ ان دانش گاہوں سے اللہ کا باغی بن کر نکلتا ہے وہ صرف نام کا مسلمان ہوتا ہے۔ اور والدین اس کی اسلامی تربیت سے بالکل بےفکر رہتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ بددینی کا شکار ہوکر راہ سے بھٹک جاتا ہے۔

اہل ثروت متوجہ ہوں

مسلمانوں کا مال دار طبقہ دکھاوے اور نام ونمود کیلئے بڑی بڑی رقمیں پانی کی طرح بہادیتا ہے، اور

اللہ کی نعمت کو بیجا صرف کرنے کا مجرم بنتا ہے، اگر وہ اللہ کی دی ہوئی دولت کا کچھ حصہ قوم کی فلاح پر خرچ کرے اور اہل علم ودانش سے رابطہ کر کے مندرجہ ذیل تین امور پر توجہ دے تو انشاء اللہ آئندہ آنے والی نسلوں کو ذہنی ارتداد سے بچانا ممکن ہو جائے گا۔

(۱) مسلم نرسری اسکول (۲) مسلم انٹر کالج (۳) مسلم ڈگری کالج، ہر بڑے شہر میں کھولے جائیں، ہندوستان کی کئی ریاستوں میں مسلمانوں نے اس طرح کی تعلیم گاہیں کھول رکھی ہیں اور الحمدللہ اس کے بہتر نتائج سے امت مستفید ہو رہی ہے۔

حدیث بالا کی تشریح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جگہ جگہ اولاد کی تعلیم وتربیت کی جانب امت کو متوجہ فرمایا ہے، چنانچہ مندرجہ بالا حدیث شریف میں بھی ایک لطیف پیرائے میں اس جانب متوجہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی (جب کہ نامۂ اعمال لپیٹ دیا جاتا ہے اور اس میں کسی خیر اور شر کا اضافہ یا کمی نہیں ہوسکتی) اس کے نامۂ اعمال میں حسنات وخیرات کا مسلسل اضافہ ہوتا رہے تو اس کو تین کاموں میں سے ایک کام ضرور کرنا چاہئے۔

۱:- صدقۂ جاریہ مثلاً مسجد بنوادے، مدرسہ کھلوادے، نہر کھدوادے، یا کوئی اور رفاہی کام کرادے۔

۲:- علم دین حاصل کرنے کے بعد اس کی نشر واشاعت کرے، مثلاً کوئی کتاب لکھ دے یا اوروں کو پڑھادے تو جب تک اس کے علم سے استفادہ کیا جاتا رہے گا، اُس کے نامۂ اعمال میں اجر وثواب کا اضافہ ہوتا رہے گا۔

۳:- اولاد کی صحیح اسلامی تربیت کر کے اُن کو دین کے سانچے میں ڈھال کر اس دنیا سے رخصت ہونے والے والدین کے نامۂ اعمال میں اولاد کی دعاؤں اور نیکیوں کی بنا پر خیرات وحسنات کا اضافہ کیا جاتا رہے گا۔

ذرا غور تو کریں!

محض اس دنیا کی آسائش اور کامیابیوں پر نظر کرتے ہوئے اولاد کی غیر اسلامی تعلیم وتربیت کا فائدہ آخرت میں نہ اولاد کو ملے گا اور نا ہی والدین کو؛ لیکن اگر صحیح اسلامی مزاج اور عمدہ اخلاقی تربیت سے اولاد کو آراستہ کر دیا گیا تو اس کا نفع آخرت کی نہ ختم ہونے والی زندگی میں اولاد کے ساتھ ساتھ بھرپور انداز میں والدین کو بھی ملے گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور سرخروئی نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمام اہلِ اسلام کی ہدایت فرمائے، اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔ وصلی اللّٰہ علی النبي الکریم۔ ❍❖❍

شعروادب:

کلامِ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ

منظوم ترجمانی:- جناب ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ادارۂ مطالعات فارسی علی گڈھ

اِس عاصی پر معاصی کے قلم سے محض بہ توفیقِ الٰہی ۱۴۲۱ھ اور ۱۴۳۰ھ میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ اور شیخ محمد بن سعید بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے معروف ومقبول نعتیہ قصیدوں ''بانت سعاد'' اور ''قصیدہ بردہ'' کے منظوم ترجمے شائع ہوکر اہل دین ودانش کی پسندیدگی کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ ملحقہ سطور میں شاعر رسول سیدنا حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے دیوانِ مطبوع ومتداول میں شامل سب سے پہلے قصیدے کی منظوم ترجمانی، دل بستگانِ رہبر عالم کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا مقصود ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ساٹھ سال کی عمر میں اِسلام قبول کیا اور پھر ساٹھ سال ہی ایمان واِسلام اور حبِ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زندہ رہے، اور ۵۴ھ میں وفات پائی، اُن کا شمار جاہلیت اور اِسلام دونوں زمانوں کے فحولِ شعرائے عرب میں ہوتا ہے، عربی زبان واَدب کی تاریخ وتنقید سے متعلق تحریروں اور اِسلامی تاریخ وسیر سے مربوط اکثر کتابوں میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ذکر، تحسین آمیز عبارتوں میں ملتا ہے، اُن کے اَحوال وآثار پر مستقل کتابیں بھی شائع ہوچکی ہیں، اور جرائد ورسائل میں مقالات بھی چھپے ہیں، ہمارے نزدیک اُن کی سب سے بڑی اہمیت اور فضیلت یہ ہے کہ وہ شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ سرور کائنات، فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنے اور اِسلام کے مخالفین ومعاندین کی شعری دریدہ دہنی کا جواب دینے کے لئے اپنا نمائندہ مقرر کیا تھا، اور اُن کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ اُن کے زبان وبیان کو قوت بہم پہنچائے، چناں چہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کو اپنے اَشعار میں ایسا دنداں شکن جواب دیا کرتے تھے کہ دشمن تلملا کر رہ جائے، اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کو سکون حاصل ہو۔ (حضرت حسانؓ کے متعلق ضروری معلومات کے لئے مطالعہ فرمائیے: شعراء الرسول، از: حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی)

پیش نظر قصیدہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ کے اس قصیدے کے جواب میں موزوں کیا تھا، جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہا تھا جب وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مخالفین اسلام ودشمنانِ رسول کے کیمپ میں شامل تھے اور اپنی تلوار اور شاعری دونوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی دل آزاری میں مصروف رہتے تھے، اور حسبِ معمول اس قصیدے میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نازیبا اَشعار کہے تھے۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ حارث بن عبدالمطلب کے بیٹے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے، اور بچپن میں ساتھ ساتھ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پینے والے رضاعی بھائی بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عمر اور جسمانی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے تھے، بچپن سے جوانی تک دونوں بھائیوں کے درمیان دوستانہ اور محبت سے لبریز روابط بھی قائم رہے تھے، مگر مشیت الٰہی اور اُس کا نظامِ اِنسانی عقل وفہم کی رسائی کی حدود سے ماوراء ہیں کہ جیسے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا، ابوسفیان کو شیطان نے اِغوا کرلیا، اور ایک بچپن کا دوست اور دوہرے دوہرے واسطوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عزیز بھائی، آپ کے مخالفوں کی ٹیم میں شامل ہوگیا اور کم وبیش ۲۰ رسال تک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کی تمام مہمات میں سرگرم رہا؛ لیکن پھر مشیتِ حق نے اپنا کرشمہ ظاہر کیا اور بیس برس سے دشمن بنا ہوا بھائی، پھر بھائی کا فرماں بردار، غم خوار اور سچا جانثار بن کر رضی اللہ عنہم کے تمغے سے سرفراز ہونے والوں کا ہم جماعت ہوگیا۔

یہاں پر یہ تنبیہ کردینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت ابوسفیان بن حارث ہوں یا ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ یا کوئی بھی صحابی رسول ہو، جب وہ اسلام میں داخل ہوگیا اور اپنی بقیہ زندگی میں اپنے عمل سے بھی اچھا مسلمان ہونے کا ثبوت دیا، تو اَب کسی مولوی یا مقرر، یا کسی انشاء پرداز اور مصنف کے لئے قطعاً یہ درست نہیں ہے کہ شیعیت یا مستشرقیت کے فریب میں آکر اُس کا ذکر کسی غیر شائستہ انداز میں کرے یا اپنے دِل میں اُس کی طرف سے بدگمانی رکھے؛ اِس لئے کہ:

(۱) صحیح مسلم میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ مبارک منقول ہے کہ: ”إن الإسلام يهدم ما كان قبله“ یعنی بے شک اسلام قبول کرلینا، تمام سابقہ گناہوں کو ڈھادیتا ہے یعنی ختم کردیتا ہے“۔ (معارف الحدیث ۱/۱۱۶-۱۱۷)

(۲) صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ روایت وارد ہوئی ہے: ''إذا أسلم العبد وحسن إسلامه يكفر الله عنه كل سيئةٍ كان زلفها'' ۔یعنی بندہ جب اسلام قبول کرلیتا ہے اور اُس کا اسلام اچھا ہوتا ہے، تو جو برائیاں وہ پہلے کرچکا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اسلام کی برکت سے اُن سب کو معاف فرمادیتا ہے''۔(معارف الحدیث ۱/۱۱۸)

(۳) اور یہ حدیث مبارک تو بے انتہاء مشہور احادیث میں سے ہے: ''التائب من الذنب كمن لا ذنب له'' ۔یعنی ''گناہ سے توبہ کرنے والا بالکل اُس شخص کی مانند ہوجاتا ہے، جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو''۔(سنن ابن ماجہ وشعب الایمان للبیہقی بحوالہ: معارف الحدیث ۵/۳۱۶)

(۴) اور جانِ سخن یہ کلام خالقِ سخن ہے کہ قرآن کریم کے اندر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے: ﴿قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ﴾ یعنی ''جن لوگوں نے کفر کیا ہے اُن سے کہہ دیجئے کہ وہ اگر اپنے کفر سے باز آجائیں (یعنی مسلمان ہوجائیں) تو اُن کے پہلے کے سب گناہ بخش دئے جائیں گے''۔(الانفال:۳۸)

لہٰذا جب حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے اور پھر تادم واپسیں اپنے ہر عمل سے خود کو ایک اچھا مسلمان ثابت کیا، تو اَب اُن سے بدگمانی یا اُن کے بارے میں بدزبانی کرنا بھی بجائے خود ایک گناہ کا ارتکاب کرنا ہے۔(تاریخ ادب عربی جلد۲، از: ڈاکٹر عبدالحلیم ندویؒ)

تاریخ وسیرت کی کتابیں گواہ ہیں کہ حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوگئے، تو پھر زندگی کی آخری رمق تک اپنے عمل سے خود کو ایک اچھا مسلمان ثابت کرتے رہے، پوری زندگی رسولِ خدا کے دامن رحمت کو مضبوطی سے تھامے رہے اور سایے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اختیار کئے رہے۔غزوۂ حنین کے موقع پر جب کچھ مجاہدین کے حوصلے پست سے ہونے لگے تھے۔حضرت ابوسفیان ایک ہاتھ، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پر رکھے ہوئے تھے، اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع اور دشمنوں کا قتل عام کررہے تھے۔اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اپنی خوشنودی کا اعلان کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی ساری عداوت کو معاف فرماتے، جو آج تک میرے ساتھ کی تھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''اے میرے بھائی! آگے

بڑھواور دشمن پر ٹوٹ پڑو''، چناں چہ کچھ اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر بے مثال جرأت وشجاعت کے ساتھ مشرکوں کو مارتے کاٹتے تین میل تک پسپا کر کے آئے اور مسلسل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے رہے، نماز اور تلاوتِ کلامِ الٰہی کو اپنا مخصوص مشغلہ حیات بنالیا اور ہر طرح کے منکرات ومحظورات سے قطعاً دور رہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہلے کی طرح اُن سے محبت فرمانے لگے اور فرمایا کہ ابوسفیان تم میرے لئے حمزہؓ کا بدل ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر ابوسفیان پھوٹ پھوٹ کر روئے اور ایک دردناک مرثیہ بھی لکھا، خود اُن کی وفات پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بے حد صدمہ ہوا اور اُن کی موت کو اُمت مسلمہ کا ایک بڑا حادثہ قرار دیا گیا۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اُن کے جنازے کی نماز پڑھائی اور اکابر صحابہؓ نے دعاءِ مغفرت کی۔

(ابوسفیان بن حارثؓ کا جو تعارف عبدالرحمٰن رأفت پاشا مصری کی کتاب ''صور من حیاۃ الصحابہ'' میں درج ہے، خاص طور پر لائق مطالعہ ہے)

عَـفَـتْ ذَاتُ الْأَصَـابِـعِ فَـالْـجَـوَاءُ
إِلَـىٰ عَـذْرَاءَ مَـنْـزِلُهَـا خَلَاءُ

ہیں کہاں ''ذات الاصابع'' اور ''جوا'' کے اَب نشاں ❖ ہوچکیں ویران کب کی وہ تو ساری محفلیں
ہیں بصارت سے اگر آنکھیں تمہاری بہرہ ور ❖ دیکھ لو، ''عذرا'' تلک سونی پڑی ہیں منزلیں

❍ **ذاتُ الاصابع، جوا، عذرا:** شام کے اندر دمشق کے آس پاس کے تین مقامات کے نام ہیں، جہاں اُن غسانی بادشاہوں کے بنگلے ہوا کرتے تھے، جو دورِ جاہلیت میں حضرت حسانؓ کے ممدوح رہے تھے۔ (شرحِ دیوانِ حسان بن ثابت الانصاری لعبدالرحمٰن البرقوقی ۱۹۲۹، ۱-۲ مصر)

دِيَـارٌ مِـنْ بَـنِـيْ حَسْـحَـاسَ قَـفْـرٌ
تُـعَـفِّيْهَـا الرَّوَامِـسُ وَالسَّـمَـاءُ

یہ بنی حسحاس کے مٹتے ہوئے ویران گھر ❖ دیکھنے والوں کو آئیں گے نظر یہ پھر کہاں
بادوباراں سے زمیں میں دفن ہوجائیں گے یہ ❖ منعدم ہوجائیں گے کھنڈروں کے بھی اُنکے نشاں

❍ **بنوحسحاس:** حسحاس بن مالک بن عدی بن نجار کی اولاد، بن فارس کا قول ہے کہ حسحاس بہت سخاوت کرنے والے کو کہتے ہیں، اِس لئے ہوسکتا ہے کہ یہاں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے

وہی سابقہ ممدوحین مراد لئے ہوں، جواُن کے مدحیہ قصائد پر اُن کو انعامات سے نوازا کرتے تھے۔(البرقوقی ۲)
○ **بادوباراں:** ہوااور بارش۔ ○ **منعدم ہوجائیں گے:** نابود ہوجائیں گے، مٹ جائیں گے۔

وَكَانَتْ لَا يَزَالُ بِهَا أَنِيْسٌ
خِلَالَ مُرُوْجِهَا نَعَمٌ وَ شَاءُ

وہ بھی دن تھے جب یہاں آباد تھے قصرودیار ❖ گرم رہتی تھیں ہمیشہ محفلیں اَحباب کی
اور یہاں کے سبزہ زاروں کی حسیں پہنائی میں ❖ اُونٹ اور بکری تھے مصروفِ خرامِ زندگی

○ **قصرودیار:** محلات ومکانات۔ ○ **پہنائی:** کشادگی، چوڑائی۔ ○ **خرام:** رفتار، چلت پھرت، نازوانداز بھری چال۔

فَدَعْ هٰذَا وَلٰكِنْ مَّنْ لِطَيْفٍ
يُوَرِّقُنِيْ إِذَا وَهَبَ الْعِشَاءُ

چھوڑ اَب اُس ذکر کو، ہونا تھا جو کچھ، ہوچکا ❖ آتے ہی رہتے ہیں دنیا میں ہمیشہ اِنقلاب
پر، یہ کس کا اِک تصور ہے کہ آنکھوں کو مری ❖ اول شب ہی سے کردیتا ہے جومحرومِ خواب

○ **محرومِ خواب:** سونے سے محروم، جس کو نیند نہ آتی ہو۔

لِشَعْثَاءِ الَّتِيْ قَدْ تَيَّمَتْهُ
فَلَيْسَ لِقَلْبِهٖ مِنْهَا شِفَاءُ

کیا یہ اُس کا ہے تصور جس کے قلبِ زار کو ❖ کرلیا ہے اُلفتِ شعثاء نے پابند و اَسیر
اور اَب اُس کی شفاء دل کی ہر تدبیر میں ❖ خائب و ناکام ہے ہر چارہ ساز و دستگیر

○ **قلبِ زار:** رنج سے بھرا ہوا دل۔ ○ **شعثاء:** سلام بن مشکم یہودی کی بیٹی کا نام تھا جو حضرت حسانؓ کے مسلمان ہونے سے پہلے اُن کی محبوبہ رہی تھی، نوادرابن الاعرابی کی تحریر کے مطابق یہ قبیلہ بنی خزاعہ کی ایک عورت تھی، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی ایک اہلیہ کا نام بھی شعثاء تھا، جس سے آپؓ کے اولاد بھی ہوئی تھی۔(البرقوقی ۳) ○ **خائب:** نامراد، محروم۔ ○ **چارہ ساز:** علاج کرنے والا، تدبیر کرنے والا، دستگیر: مدد کرنے والا۔

كَـــأَنَّ سَبِيْـــئَةً مِـــنْ بَيْـــتِ رَأْسٍ
يَـكُـوْنُ مِـــزَاجُهَـــا عَسَلٌ وَ مَـــاءٌ

گویا اُس کے دل رُبا دانتوں میں ہے ایسی تری ❖ اس شراب بے غش و پر کیف کے جرعات کی
جو فراہم کی گئی ہے لا کے بیتِ رأس سے ❖ اور مرکب پھر وہ آب و شہدِ صافی سے ہوئی

○ **بے غش:** خالص، پر کیف، نشے سے بھرا ہوا، مستی آور۔ ○ **جرعات:** جرعہ کی جمع، گھونٹ۔ ○ **فراہم کی گئی:** مہیا کی گئی، جمع کی گئی۔ ○ **بیت رأس:** اُردن کے ایک مقام کا نام ہے جو شراب کی نسبت سے مشہور ہے۔ (البرقوقی ۳) ○ **مرکب:** مخلوط، ملا ہوا، ملایا ہوا۔ ○ **آب:** پانی، صافی: صاف، پاک۔

عَـلـــىٰ أَنْيَـــابِهَـــا أَوْ طَـعْـمَ غَـضٍّ
مِـنَ التُّـفَّـــاحِ هَـصَّـــرَهُ الْـجِـنَـــاءُ

یا پھر اُس کے خوش نما دانتوں میں ہے ایسا مزہ ❖ دانت کے کاٹے سے جو ملتا ہے ایسے سیب سے
جس کی شاخیں اُس کے پک جانے پہ ہوں لٹکی ہوئی ❖ اور ہوں محفوظ وہ دنیا کے ہر آسیب سے

○ **آسیب:** آفت، بلا، نقصان۔

إِذَا مَـــا الْأَشْـرِبَـاتُ ذُكِـرْنَ يَـوْمًـا
فَهُـــنَّ لِـــطَيِّـــبِ الـــرَّاحِ الْـفِـدَاءُ

بحثِ کیف و ذوقِ مشروباتِ دنیا ہو اگر ❖ تذکرہ ہو ساتھ ہی اُس کے شرابِ ناب کا
منصفِ رنداں کا اس دم فیصلہ ہوگا یہی ❖ سارے مشروبات کو کر دیجئے مے پر فدا

○ **کیف:** کیفیت، ذوق: مزہ، ذائقہ۔ ○ **مشروبات:** پینے کی چیزیں۔ ○ **شراب ناب:** خالص شراب۔ ○ **منصفِ رنداں:** رندوں کا جج، اوباشوں کا پنچ۔ ○ **مے:** شراب۔

نُـــوَلِّيْهَـــا الْـــمَلَامَةَ إِنْ أَلَـــمْـنَـــا
إِذَا مَـــا كَـــانَ مَـغْـثٌ أَوْ لَـحَـــاءُ

ہم سے جب بھی ہوتے ہیں سرزد وہ اَفعالِ دنی ❖ مرتکب جن کا ہمیشہ ہے سزاوارِ ملام
ہو قتالِ باہمی یا گفتگوے ناسزا ❖ کرتے ہیں منسوب انہیں ہم مستی بادہ کے نام

○ **سرزد ہونا:** وجود میں آنا، ظاہر ہونا۔ ○ **افعالِ دنی:** گھٹیا کام، کمینہ پن کے کام۔ ○ **مرتکب:** انجام دینے والا، عمل میں لانے والا۔ ○ **سزاوارِ ملام:** ملامت کے لائق، ملامت کا مستحق۔ ○ **قتال باہمی:** ایک دوسرے کو قتل کرنا۔ ○ **گفتگوئے ناسزا:** نامناسب بات، غیر شائستہ کلام۔ ○ **مستی بادہ:** شراب کا نشہ۔

وَنَشْرَبُهَا فَتَتْرُكُنَا مُلُوكًا
وَأُسْدًا مَا يُنَهْنِهُنَا اللِّقَاءُ

مست ہوجاتے ہیں جب پی کر شرابِ ناب ہم ❖ سوچنے لگتا ہے شاہوں کی طرح اپنا دماغ
شیر کی مانند ہوجاتا ہے عزم و حوصلہ ❖ جل نہیں سکتا ہمارے آگے دشمن کا چراغ

○ یہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا جاہلیت کی زندگی کا کہا ہوا آخری شعر ہے، اِس قصیدے کو اُنہوں نے اسلام لانے سے پہلے شروع کیا تھا۔ شروع کے دس شعر دور جاہلیت کا کلام ہے، اور اُن کے بعد کے ۲۲ ربیت مسلمان ہونے کے بعد موزوں کئے گئے ہیں۔ (البرقوقی:۴)

عَدِمْنَا خَيْلَنَا إِنْ لَمْ تَرَوْهَا
تُثِيرُ النَّقْعَ مَوْعِدُهَا كَدَاءُ

ہے برابر پھر ہمارے گھوڑوں کی بود و نبود ❖ گر نہ دیکھو تم ہوا کی مثل انہیں اُڑتا ہوا
بڑھ رہے ہیں جو دما دم اپنی منزل کی طرف ❖ ان کی ٹاپو سے ہے گرد آلود میدانِ کدا

○ **بود و نبود:** عدم و وجود، ہونا اور نہ ہونا۔ ○ **دما دم:** مسلسل، ہر وقت۔ ○ **کدا:** جو ن پہاڑ سے متصل ایک گھاٹی کا پہاڑی راستہ جو بیرونِ مکہ سے اندرونِ مکہ کو اُترتا ہے، فتح مکہ کے موقع پر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی راستے سے مکہ میں داخل ہوئے تھے، اور آج بھی حج و عمرہ کے لئے اس راستے سے داخل ہونا مستحب ہے۔ (جغرافیہ جزیرۃ العرب، مولانا محمد رابع حسنی ندوی لکھنؤ، ۱۹۸۳ء ص:۲۲۸، البرقوقی ۴)

يُبَارِينَ الْأَعِنَّةَ مُصْعِدَاتٍ
عَلَى أَكْنَافِهَا الْأَسَلُ الظِّمَاءُ

چاہتے ہیں وہ نکل جائیں لگا میں توڑ کر ❖ وادیوں کی سمت کو بڑھتے ہوئے چڑھتے ہوئے
جب کہ اُن کے کاندھوں پر موجود ہیں ایسے سوار ❖ خون کی پیاسی جو ہاتھوں میں ہیں تلواریں لئے

○ **وادی:** جنگل، نالا، دو پہاڑوں کے درمیان کھلا راستہ۔

تَـظَـلُّ جِيَـادُنَـا مُتَـمَـطِّـرَاتٍ
تُـلَـطِّـمُهُـنَّ بِـالْـخُـمُرِ النِّسَـاءُ

کس قدر عمدہ ہمارے گھوڑے ہیں جو دم بہ دم ❖ دوڑتے ہیں تیز رفتاری میں سبقت کے لئے
تاکہ وہ ہوجائیں واپس، دشمنوں کی عورتیں ❖ مارتی ہیں اُن کے چہروں پر دوپٹے پھینک کے

○ **سبقت:** آگے بڑھنا، آگے نکل جانا، کسی کام کو دوسروں سے پہلے انجام دے دینا۔

فَـإِمَّـا تُـعْـرِضُـوْا عَـنَّـا اعْتَـمَـرْنَـا
وَكَـانَ الْـفَـتْـحُ وَانْـكَشَفَ الْـغِـطَـاءُ

راستے سے تم ہٹ جاؤ ہمارے، دشمنو! ❖ ہم ادا کرلیں گے عمرہ اَمن و اطمینان سے
اور ہوجائے گی حاصل ہم کو وہ فتح مبین ❖ جس سے اُٹھ جائے گا پردہ وقت کے کتمان سے

○ **کتمان:** پوشیدگی، اخفاء، چھپانا، چھپا ہوا ہونا۔

وَإِلَّا فَـاصْبِـرُوْا لِـجَلَادِ يَـوْمٍ
يُـعِـزُّ اللّٰـهُ فِيْـهِ مَـنْ يَّشَـاءُ

اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اُس دن تک رکو ❖ ہو ہمارے اور تمہارے درمیاں جب سخت جنگ
اور جسے اللہ چاہے، فتح و عزت دے اُسے ❖ ایسی عزت جس سے رہ جائے تمہاری عقل دنگ

وَ جِبْـرَئِيْـلُ رَسُـوْلُ اللّٰـهِ فِيْـنَـا
وَ رُوْحِ الْـقُـدُسِ لَيْـسَ لَـهٗ كِـفَـاءُ

اور جبرئیل اَمین جو ہیں خدا کے اَیلچی ❖ ہیں ہمارے درمیان موجود وہ بھی، جان لو!
ہاں! وہی روح القدس جو ہیں فرشتوں کے اِمام ❖ کوئی اُن سا مل نہیں سکتا ہے، دنیا چھان لو

○ **ایلچی:** قاصد، پیامبر، ہرکارہ۔ (جاری)

○❖○

دوسری قسط

حرمین شریفین کی خصوصیات و اِمتیازات

مولانا مفتی محمد اجمل قاسمی استاذ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(۷) بیت اللہ دنیا کی واحد ایسی عمارت ہے جس کا استلام مشروع ہے:

خانۂ کعبہ دنیا کی واحد ایسی عمارت ہے جس کے رکن کا بوسہ دینا، چھونا اور اُس کی دیوار سے چمٹنا اور اُس کے پردوں سے لپٹ جانا نہ یہ کہ صرف جائز ہے؛ بلکہ باعثِ شرف وثواب ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمارت کو بوسہ دیا ہے، چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

لَمْ أَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُ مِنَ الْبَيْتِ إِلَّا الرُّكْنَيْنِ الْيَمَانِيَيْنِ. (رواه البخاري، كتاب الحج / باب من لم يستلم إلا الركنين اليمانين، ومسلم، كتاب الحج / باب استحباب استلام الركنين)

اِس حدیث میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ کے دونوں یمانی رکنوں کا استلام اور بوسہ لیا کرتے تھے۔

(۸) بیت اللہ کی ہیبت:

اللہ کے اس گھر کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ من جانب اللہ اس کی ہیبت اور اُس کا رعب وجلال ہمیشہ تمام انسانوں کے دلوں پر قائم رہا، عرب تو خیر صاحبِ حرم ہیں، عجم کے لوگ بھی ہر زمانے میں اُس کی تعظیم اور اُس کا احترام کرتے چلے آئے ہیں، انسانوں کے دل میں اُس کا احترام بالکل فطری اور قدرتی ہے، اس کے لئے کوئی مہم چلی نہ کبھی کوئی تحریک؛ لیکن انسان ہے کہ اُس کے سامنے ادب وعاجزی کی تصویر بنا رہتا ہے۔ (تاریخ مکہ للامام ابوالبقاء المکی الحنفی ۱۶۵)

(۹) اَصحابِ فیل سے حفاظت:

خانۂ کعبہ کی اہم ترین خصوصیت جو تاریخ کا عجوبہ اور اہم ترین واقعہ ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غیظ وغضب سے بھرے ہوئے ہاتھیوں کے عظیم لشکر کی غارت گری اور اُن کے ناپاک عزائم کی تکمیل سے

اپنے گھر کو محفوظ رکھا، اور پرندے کے ایک لشکر سے ہاتھیوں کے نا قابل تسخیر لشکر کو نابود اور بے نشان کر دیا۔ تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ اَبرہہ بن اشرم نامی یمن کے ایک بادشاہ نے شہر صنعاء میں ایک عبادت گاہ تعمیر کرائی، اور اُس نے خانۂ کعبہ کے حج کو موقوف کر کے اس عبادت گاہ کے حج کو شروع کرنے کا ارادہ کیا، عرب کی غیرت کو خانۂ کعبہ کی یہ توہین گوارا نہ ہوئی، چناں چہ بنی کنانہ کے ایک شخص نے صنعاء پہنچ کر ابرہہ کے عبادت خانہ میں پاخانہ کر دیا، اور گندگی کو دیواروں اور دوسری جگہوں پر بکھیر دیا، ابرہہ کو جب معلوم ہوا تو بجائے اس کے کہ وہ اس آدمی کے خلاف کارروائی کرتا، بادشاہت کے غرور میں آ کر خانۂ کعبہ ہی کو ڈھا دینے کا فیصلہ کیا، اور اِس مقصد کے لئے ہاتھیوں کا ایک عظیم لشکر لے کر چلا، جب ہاتھیوں کی کالی آندھی مکہ کے پاس پہنچی، تو مکہ کے لوگ مارے دہشت کے شہر چھوڑ کر اِدھر اُدھر چھپ گئے، اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے جھنڈ بھیجے، جن کی چونچ اور پنجوں میں کنکریاں تھیں، اُن پرندوں نے ہاتھی والے لشکر پر کنکریوں کی زبردست بارش کی، جس سے لشکر کے جسم چھلنی ہو گئے اور پورا لشکر ایسا ڈھیر ہوا جیسے چبائی ہوئی بھُس پڑی ہوئی، سورۂ فیل میں اللہ تعالیٰ نے اِسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، دنیا میں کوئی ایسا مقام نہیں جس کی حفاظت کے لئے ایسے غیبی سامان ہوئے ہوں، اور اُس کی عظمت سے ٹکرانے والوں کو ایسے عبرت ناک انجام کا سامنا ہوا ہو۔ (التفسیر الواضح للصابونی ۲/۷۹۳)

(۱۰) مکہ اُم القریٰ (بستیوں کی ماں) ہے:

مکہ ''اُم القریٰ'' ہے، اُسے یہ نام اللہ تعالیٰ نے دیا ہے:

وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا. (الأنعام: ۹۲)

یہ بابرکت کتاب ہے جو تصدیق کرنے والی ہے، ان کتابوں کی جو اُس سے پہلے ہیں؛ تاکہ آپ اُم القریٰ (مکہ) اور اُس کے اِردگرد کے لوگوں کو ڈرائیں۔

اُم القریٰ کے معنی ہیں ''بستیوں کی ماں اور اُن کی اصل''، شیخ علی طنطاوی جواہریؒ لکھتے ہیں کہ:

''مکہ دو پہاڑیوں کے درمیان چھپی ہوئی ایک چھوٹی سی بستی تھی، اس وقت کی سپر پاور طاقتوں کی نظر میں اُس کی کوئی خاص وقعت نہ تھی؛ لیکن جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا آخری پیغام لے کر تمام عالم کے لئے مکہ میں مبعوث ہوئے، تو یہاں کی وادیاں نغمۂ توحید سے گونجیں، یہاں کی خشک چٹانوں سے حق کی

دعوت کا چشمہ پھوٹا اور اُس کا سیل رواں ہر طرف تیزی سے بڑھا، باطل کے شہر مٹتے چلے گئے، کفر کی حکومتیں نابود ہوئیں، نئے نئے اسلامی شہر وجود میں آئے، نئے انسانی معاشرے قائم ہوئے، نئی حکومتیں بنیں، اور اُن سب کا روحانی مرکز یہی بستی ہوئی، اور یہ شہر جو کبھی چھوٹی سی بستی تھا، واقعۃً ''اُم القریٰ'' بستیوں کی اصل بن گیا''۔ (من نفحات الحرم للطنطاوی ۱۵)

علماء نے مکہ کو اُم القریٰ کہے جانے کی اور بھی وجہیں بیان کی ہیں، بعض نے کہا کہ یہ بستی چوں کہ انتہائی قدیم ترین بستی ہے، بعض تاریخی روایات کے مطابق سب سے پہلے یہی بستی وجود میں آئی، پھر اُسی کے نیچے سے اللہ تعالیٰ نے پوری زمین کا فرش بچھایا؛ لہٰذا اس بستی کو قدامت اور اولیت کی وجہ سے اُم القریٰ کہا گیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ بستی چوں کہ قدیم زمانے سے مرجع خلائق اور زیارت گاہ عالم رہی ہے، اس کی مرجعیت کی وجہ سے اُسے اُم القریٰ کہا گیا، بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ یہ بستی قدیم آبادِ دُنیا کے ٹھیک وسط میں واقع ہے، اس لئے اسے اُم القریٰ کہا گیا، کیا عجب کہ ان سبھی وجوہات اور دیگر اور بھی وجوہات کی بنا پر جو علم الٰہی میں ہوں، اللہ کی آخری کتاب میں مکہ کو ''اُم القریٰ'' کا نام دیا گیا ہو۔ (تاریخ مکہ للدکتور محمد الیاس عبدالغنی ۹)

(۱۱) حج صرف یہیں مشروع ہے:

دیارِ حرم کو یہ بھی شرف وامتیاز حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حج وعمرہ جیسی روحانی عبادتوں کے لئے اس کا انتخاب فرمایا گیا ہے، اور دُور وقریب سے پیادہ پا اور سواریوں کے ذریعہ ہر صاحب استطاعت کو فخر وناموری کے تمام لباس اُتار کر احرام کی دو چادروں میں ملبوس ہوکر برہنہ سر عاجزی کی تصویر بن کر یہاں کی حاضری کو فرض قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. (ال عمران: ۹۷)	اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، وہ اُس کا حج کرے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ. لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ	اور لوگوں کو حج کے لئے پکارو کہ وہ تمہارے پاس دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں؛ تاکہ وہ فائدے دیکھیں جو یہاں ان کے لئے ہیں،.....

..... وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ. (الحج: ۲۷ وجزء آیت: ۲۹)

اوراس قدیم گھر کا طواف کریں۔

حج وعمرہ کی غرض سے اس گھر کی زیارت کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں کا کفارہ اور خطاؤں کی معافی کا سبب قرار دیا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَتٰى هٰذَا الْبَيْتَ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ عَادَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ. (رواه البخاري، كتاب الحج / باب فضل الحج المبرور، مسلم، باب فضل الحج والعمرة)

جوآدمی اس گھر کی زیارت کو (حج وعمرہ کے لئے) آئے، تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے اس دن پاک تھا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَابِعُوْا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ؛ فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خُبْثَ الْحَدِيْدِ وَالْفِضَّةِ وَلَيْسَ لِلْحَجَّةِ الْمَبْرُوْرَةِ ثَوَابٌ دُوْنَ الْجَنَّةِ. (أخرجه أحمد في المسند ۳۸۷/۱، والترمذي، كتاب الحج / باب ما جاء في ثواب الحج والعمرة)

حج اور عمرے کو یکے بعد دیگرے ادا کرو؛ اس لئے کہ یہ دونوں محتاجی اور گناہوں کو ایسا دور کرتے ہیں جیسے بھٹی لوہے اور چاندی کے زنگ اور میل کو، اور مقبول حج کا ثواب جنت سے کم نہیں ہوگا۔

اس دیارحرم کے علاوہ کوئی ایسا مقام نہیں جہاں حج وزیارت کے لئے سفر کرنا فرض اور باعثِ اَجر وثواب ہو۔

(۱۲) قرآن میں مکہ کا تذکرہ گیارہ ناموں سے:

مکہ کا امتیاز یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں گیارہ الگ الگ ناموں سے اس کا ذکر آیا ہے، چناں چہ سورۂ فتح آیت نمبر۲۴ میں اس شہر کو ''مکہ'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے، جو اس کا سب سے مشہور نام ہے: ﴿هُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ﴾ سورۂ آل عمران آیت نمبر۹۶ میں اس شہر کو ''بکہ'' کہا گیا ہے: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ﴾ ''اُم القریٰ'' بھی کہا گیا ہے، یعنی بستیوں کی

اصل اوراُن کی ماں، سورۂ انعام آیت نمبر۹۲ میں ہے: ﴿وَهٰذَا كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ ..... لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى﴾ سورۂ ابراہیم آیت نمبر۳۵ میں اسے ''البلد'' یعنی شہر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے: ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا﴾ سورۂ تین آیت نمبر۳ میں اُسے ''البلدالامین'' کہا گیا ہے، یعنی امن والا شہر ﴿وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾ سورۂ نحل آیت ۹۱ میں ''البلدۃ'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اس کے معنی بھی شہر کے ہیں: ﴿اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ﴾ سورۂ قصص آیت ۵۷ میں اسے ''حرم آمن'' کا نام دیا گیا ہے، جس کے معنی ہے: ''امن والا حرم'' ﴿اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا آمِنًا﴾ سورۂ ابراہیم آیت ۳۷ میں اُسے ''وادی غیر ذی زرع'' (کھیتی سے خالی وادی) کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے: ﴿رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ﴾ سورۂ قصص آیت ۱۳ میں اسے ''معاد'' واپسی کی جگہ بھی کہا گیا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ﴾ سورۂ اسراء کی پہلی آیت میں اسے ''المسجد الحرام'' کا نام دیا گیا ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى﴾ (تاریخ مکہ، للدکتور محمد الیاس عبدالغنی ۹، مقدمۃ تاریخ مکۃ المشرفۃ لابی البقاء الحنفی المکی ۲)

اتنے ناموں سے قرآن میں کسی اور بستی کا ذکر نہیں آیا ہے، یہ صرف مکہ ہی کی خصوصیت ہے۔

(۱۳) قرآن میں اِس شہر کی قسم کھائی گئی ہے:

اس شہر کو دیگر تمام شہروں کے مقابلے میں یہ بھی خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت وحرمت اور قدر ومنزلت کے اظہار کے لئے قرآن میں دو جگہ اس کی قسم کھائی ہے، چناں چہ ارشاد ہے:

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ. (التين: ۳)

قسم ہے طور سینا کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ) کی۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ. وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ. (البلد: ۳)

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی اس حال میں کہ قید نہیں رہے گی تجھ پر اس شہر میں۔

(۱۴) حرم میں داخلے کے لئے احرام ضروری ہے:

حرمِ پاک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی حدود میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز نہیں، چناں چہ عطاء بن ابی رباح، امام لیث، ثوری، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام مالک کے صحیح قول اور امام شافعی کے مشہور قول، اور امام احمد اور ابوثور کے مسلک کے مطابق جو شخص آفاقی یعنی میقات سے باہر کا ہے، اس کے لئے مکہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا ناجائز ہے۔ (فتح الملہم للعثمانی ۱/۲۱۲)

(۱۵) حرم جائے اَمن ہے:

حرمِ پاک کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ جائے امن ہے، یہاں ہر چیز مامون اور محفوظ ہے، نہ یہاں خونریزی ہوسکتی ہے، نہ کسی خودرَو پیڑ پودے کو کاٹا جاسکتا ہے، اور نہ ہی کسی جنگلی جانور کا شکار کیا جاسکتا ہے، فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي وَلَمْ يَحِلَّ لِيْ إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ وَلَا يُلْتَقَطُ لُقَطَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا. (أخرجه مسلم، كتاب الحج / باب تحريم مكة وتحريم صيدها)

جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا، اسی دن اس شہر کو حرمت والا شہر بنایا، چناں چہ اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے کی وجہ سے وہ قیامت تک حرمت والا رہے گا، مجھ سے پہلے کسی کے لئے اس شہر میں جنگ جائز نہیں قرار دی گئی، اور مجھے یہ اجازت دن کے تھوڑے حصے میں ملی؛ لہٰذا اب وہ اللہ کے حرام قرار دینے کی وجہ سے قیامت تک کے لئے حرام رہے گا، نہ وہاں کی جھاڑی کو کاٹا جائے گا، نہ وہاں کے شکار کو بدکایا جائے گا، اور نہ وہاں گری پڑی چیز اُٹھائی جائے گی، ہاں مگر اعلان کی غرض سے اور نہ ہی اُس کی گھاس اُکھاڑی جائے گی۔

(۱۶) حرم میں گناہ کا اِرادہ بھی قابلِ مؤاخذہ ہے:

اُس مبارک مقام کی عظمت کے پیش نظر یہاں برائی کرنا تو درکنار؛ محض برے کام کا ارادہ کرنا بھی

قابلِ مؤاخذہ ہے، اگر چہ برائی نہ کرے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَنْ يُرِدْ فِيْهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ. (الحج: ۲۵) اور جو کوئی اس (حرم) میں شرارت سے ٹیڑھی راہ کا ارادہ کرے گا، ہم اُسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

آیتِ کریمہ میں الحاد و بے دینی کے ارادے پر سخت وعید سنائی گئی ہے، اور الحاد میں ہر وہ عمل بھی داخل ہے جس سے حرم کے مکینوں کو تنگی اور پریشانی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِحْتِكَارُ الطَّعَامِ فِيْ الْحَرَمِ إِلْحَادٌ. حرم میں ذخیرہ اندوزی بے دینی اور الحاد ہے۔

ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی سے اگر خلق خدا کو پریشانی ہوتی ہو، تو وہ ہر جگہ حرام ہے، حرم کی خصوصیت نہیں؛ لیکن حرم میں اگر یہ کام کیا جائے تو یہ صرف حرام ہی نہیں؛ بلکہ اس سے بڑھ کر الحاد و بے دینی اور راہِ راست سے انحراف قرار پاتا ہے؛ اس لئے کہ یہ اللہ کا حرم ہے، اور بادشاہ کے دربار میں حکم عدولی کی شناعت وقباحت عام جگہ کی جانے والی حکم عدولی سے بہت بڑھ جاتی ہے۔ (مقدمہ تاریخ مکہ المشرفہ لأبی البقاء المکی الحنفی ۲)

(۱۷) مکہ حضور ﷺ کی جائے پیدائش اور جائے بعثت ہے:

بلد امین مکہ مکرمہ کو سردار انبیاء، خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش اور جائے بعثت ہونے کا شرف حاصل ہے، یہیں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، یہیں غار حراء میں حضرت جبرئیل علیہ السلام پہلی بار آپ پر وحی لے کر اُترے، اور آپ کو سورۂ علق کی ابتدائی آیات سکھائیں، یہیں سے اسلام کا چشمہ پھوٹا، اور یہیں سے دعوتِ حق کی شعائیں پھوٹ کر دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچیں۔ (جاری)

ماہنامہ ندائے شاہی مُرادآباد
ایک عظیم اصلاحی تحریک کا نام ہے
صرف ایک ممبر بنا کر آپ بھی اس تحریک میں شامل ہو جائیے۔

دنیا میں کیا کیا ہوگا؟

مولانا مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری صدر المدرسین واستاذِ حدیث جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ

بڑوں کا احترام باقی نہ رہے گا

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَبْرِدَ الصَّبِيُّ الشَّيْخَ لِفَقْرٍ.

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرما رہے ہیں کہ زمانہ کے خراب ہونے کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ ایک نوعمر اپنے سے عمر رسیدہ انسان کو اس کے فقر وفاقے کی وجہ سے لتاڑ دے گا۔

مطلب یہ ہے چھوٹوں کی نگاہ میں بڑوں کی کوئی وقعت اور حیثیت نہیں رہ جائے گی، انسان ایسا خودسر ہو جائے گا کہ جو اس کے جی میں اور مرضی میں آئے گا اسی کو وہ کرے گا، بڑا آدمی اگر اس کی رائے کے خلاف اس کو مشورہ دے گا تو مشورہ قبول کرنا تو دور کی بات وہ اس کی مداخلت کو بھی برداشت نہیں کرے گا، جب دنیا کے اندر یہ زمانہ رونما ہو جائے کہ بڑوں کی کوئی وقعت چھوٹوں کی نگاہ میں نہ رہے تو اب سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا کا زمانہ ختم ہونے کے قریب ہے اور قیامت کی آمد آمد ہے۔ آج کی جو صورتِ حال ہے اس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی گھر گھر کے اندر صادق ہوتی دکھائی دے رہی ہے، بچہ ذرا سا بڑا ہو جاتا ہے تو باپ کی کوئی حیثیت اس کی نگاہ میں نہیں رہتی، ماں کے مشورے کی کوئی اہمیت اس کی نگاہ میں نہیں رہتی، اور خاندان کے بڑوں کو وہ بڑا نہیں سمجھتا، اپنے سے زیادہ عقل مند کوئی دوسرا اس کی نگاہ میں نہیں ہوتا، حالانکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا **"البركة مع اكابركم"** (بیہقی ۳۶۰/۱۰) اگر تمہیں اللہ کی برکت اور خیرات سے مالا مال ہونا ہے تو اپنے بڑوں کے ساتھ رہنا ہوگا، ان کے ہم نوا بن کر زندگی گذارنی ہوگی، ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرنی ہوگی، ان کی ہدایات پر عمل کرنا ہوگا، مشوروں کو ماننا ہوگا، بڑے ہونے کی حیثیت سے چھوٹوں پر یہ ذمہ داری ہے کہ ان کی اطاعت کریں، ان کے مقام ومرتبہ کو اپنے ذہن ودماغ کے اندر رکھیں۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا. (ترمذی حدیث ۱۹۱۹)

وہ آدمی ہم میں سے نہیں ہے یعنی ہماری جماعت میں اس کا شمار نہیں ہوگا جو اپنے بڑوں کی تعظیم نہیں کرتا اور چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتا۔

بڑوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ چھوٹوں کے اوپر شفقت کا ہاتھ رکھیں اور ان کے حق کو ادا کریں اور چھوٹوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ بڑوں کی عظمت واحترام دلوں کے اندر رکھیں، ان سے منھ در منھ بات کرنا تو دور کی بات، اونچی آواز میں بھی ان کے سامنے نہ بولیں، ان کی گفتگو میں مداخلت نہ کریں۔ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک وفد آیا، اس وفد کے اندر کئی لوگ تھے، کچھ بڑی عمر کے اور کچھ نوعمر کے لوگ تھے۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو شروع ہوئی تو وفد کے جو ترجمان تھے انھوں نے بات کرنی شروع کی، درمیان میں ایک نوعمر صحابی کچھ بولنے لگے، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوکا اور ارشاد فرمایا ''کبر کبر'' بڑے کو موقع دو، بڑے کو موقع دو۔ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ جب بڑے مجلس کے اندر موجود ہوں تو چھوٹے گفتگو اور بات میں پہل نہ کریں، چھوٹوں سے اگر پوچھا جائے تو اس کا جواب دے دیں، لیکن اپنے طور سے گفتگو میں مداخلت نہ کریں، اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب تک بڑوں کا احترام ہمارے دلوں کے اندر نہیں ہوگا، ہم اللہ کی جانب سے نازل ہونے والی خیرات وبرکات کے صحیح طور پر مستحق نہیں بنیں گے۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روایت میں ارشاد فرمایا: ''مَنْ سَرَّهُ اَنْ يُمِدَّ لَهُ فِيْ عُمُرِهٖ وَيُزْدَادُ فِيْ رِزْقِهٖ فَلْيَبَرَّ وَالِدَيْهِ وَلْيَصِلْ رَحِمَهُ''. (مجمع الزوائد ۱۷۵/۸) آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اُس کے مال میں اور اس کے رزق میں برکت اور فراخی ہو اور اللہ ہر طرح کی تنگی سے اسے بچائے رکھے اور اس کی عمر میں بھی برکت ہو تو اگر دو کام انسان کرلے گا تو اس کی دونوں آرزوئیں اور تمنائیں بر آئیں گی، پہلا کام آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بن جائے، ان کو راضی کرنے والا بن جائے، ان کی خدمت کرکے ان کی دل کی دعائیں لینے والا بن جائے۔ اللہ اس خدمت کے صلے میں عمر میں بھی برکت عطا فرمائیں گے اور روزی میں بھی برکت عطا فرمائیں گے۔

آپ تجربہ کرکے دیکھ لیجیے جن لوگوں نے خدمت کرکے اپنے والدین کے دلوں کو جیتا ہے، اللہ نے دنیا میں بھی ان کو نوازا ہے اور آخرت میں بھی جو نعمتیں ان کو عطا فرمائیں گے وہ ہمارے وہم وگمان سے

بھی بالاتر ہوں گی، یہ ایک ایسی نیکی ہے کہ جس کا اجر وثواب انسانی زندگی پر مرتب ہونے لگتا ہے۔ بہت سی نیکیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا ثواب انسان کو آخرت میں ملتا ہے؛ لیکن والدین کے ساتھ حسنِ سلوک، بہترین برتاؤ، اچھا معاملہ یہ ایسی نیکی ہے کہ نقد اللہ اس کا ثواب عطا فرماتے ہیں، فوراً حساب چکتا ہوجاتا ہے۔ دوسرا کام آپ نے بیان فرمایا: "ولیصل رحمه" جو یہ چاہے کہ میری دونوں امیدیں اور آرزوئیں پوری ہوں اس کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ ساتھ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بہترین برتاؤ کرنا ہوگا، جوڑ رکھنا ہوگا، کسی کے ساتھ توڑ نہ ہو، گفتگو اور بات چیت بند نہ ہو، آنا جانا ختم نہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ ہمارا توڑ اور ہمارا قطع رحمی دنیا میں بھی ہمارے لیے نقصان دہ ہوگی اور آخرت میں بھی نقصان دہ ہوگی، آپ نے ارشاد فرمایا "لا تقبل صلاة الاخوان المتسارمان" کئی لوگ ایسے ہیں کہ جن کی نمازیں اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتیں، وہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، ہر نماز میں صف اولیٰ کے اندر وہ دکھائی دیتے ہیں، لیکن ایک ایسا عمل ان کی زندگی کے ساتھ لگا ہوا ہے کہ سجدوں پر سجدے کرنے کے باوجود بارگاہِ الٰہی میں ان کی نمازیں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کرپاتیں، وہ کیا عمل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا "الاخوان المتسارمان" ایسے دو بھائی جن میں بول چال بند ہو ان کا رشتہ تو خونی ہو لیکن وہ آپس میں ملتے جلتے نہ ہوں اگر وہ آپس میں ملنے جلنے کی فکر نہیں کریں گے تو بارگاہِ الٰہی میں ان کی نمازیں مقبول نہیں ہوں گی۔

حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ ان دو بھائیوں سے خونی رشتہ رکھنے والے بھائی بھی مراد ہیں اور دینی رشتہ رکھنے والے بھائی بھی۔ جن دو بھائیوں کی ایک ہی ماں اور باپ سے ولادت ہوئی ہو ان میں اگر تعلقات نہیں ہوں گے تو چاہے جتنی نمازیں پڑھ لیں ان کی نمازیں بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوں گی، اسی طرح دینی بھائی بھی، ہم اور آپ دینی اعتبار سے اخوت کا رشتہ رکھتے ہیں، دنیا میں بسنے والے تمام اہل ایمان، اسلام اور مذہب کے اعتبار سے بھائی بھائی ہیں، اگر دو مسلمانوں کے درمیان بول چال بند ہے اور وہ اس سلسلے کو ختم کرنے کی کوشش نہیں کررہے ہیں تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق ان کی نمازیں بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں ہوں گی، اس لیے ہم سب کو اپنے گریبان میں منھ ڈالنا چاہیے، اپنے معاملات کو سمجھنا چاہیے، بہت سے لوگوں سے ہمارے اختلافات ہوتے ہیں اور معمولی معمولی رنجشوں کو ہم اتنا بڑھاوا دیتے ہیں کہ سالوں تک ہماری اور ان کی بات چیت نہیں ہوتی، ایک دوسرے کو دیکھنا گوارہ نہیں

ہوتا اور ہماری آپسی رنجش کی وجہ سے گھر والے بھی قطع تعلق پر مجبور ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہمارے والد کی بات چیت بند ہے، بھائی چچا وغیرہ کی بات چیت بند ہے، ہم اگر بات چیت کریں گے تو ہمارے ابا کو تکلیف ہوگی، بھائی چچا کو تکلیف ہوگی، اس کے نتیجہ میں دسیوں لوگ چاہنے کے باوجود تعلقات نہیں رکھ پاتے، اختلافات دو آدمیوں کے اندر ہے لیکن یہ اختلاف صرف دو آدمیوں کے اندر نہیں رہ پاتا، دسیوں اور بیسیوں کے اندر وہ اختلافات پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح کے اختلافات سے ہماری زندگی کو پاک وصاف فرمائے۔ ان جھمیلوں اور لڑائیوں کو چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائے، نہ جانے کون سے لمحے ہمیں بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا پڑ جائے، ویسے ہی ہمارے اعمال کسی لائق نہیں اللہ تعالیٰ ٹوٹی پھوٹی نمازوں کی توفیق دے بھی دیتے ہیں تو وہ لڑائی جھگڑوں کے چکر میں ضائع ہوجاتی ہیں، پھر باقی کیا رہ جائے گا؟ خالی ہاتھ اس کی بارگاہ میں پہنچیں گے تو انسان کو وہاں جا کر ندامت اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا اس لیے یہ ارادہ کریں کہ جس سے ہماری بول چال بند ہے، اللہ کی رضا کے لیے اس سے گفتگو کا آغاز کریں گے، ہمیں یہ نہیں دیکھنا ہے کہ ہماری ناک نیچی ہورہی ہے، برادری کے سامنے عزت کم ہورہی ہے، ہماری توہین ہورہی ہے، لوگ ہمیں طعنے دیں گے کہ میاں آ گئے، غلطی پر تھے اس لیے غلطی ماننے آ گئے، تمام چیزوں کو ہم جھیل لیں گے، برداشت کرلیں گے، آخرت کی سرخ روئی کے لیے، نیت کو دیکھنے والا تو اللہ ہے، لوگ کوس رہے ہیں تو کوسنے دیجیے، طعنے دے رہے ہیں تو دینے دیجیے، خوش ہوکر سن لیجیے، اگر لوگوں کے طعنے سن کر بھی ہم نے اپنے اختلافات کو دور کرلیا تو اس سے بڑی کامیابی ہمارے اور آپ کے لیے کوئی دوسری نہیں ہوسکتی، قطع رحمی یہ اتنا بڑا روگ ہے اور ایسا گھن ہے جو نیکیاں کرنے کے باوجود ان کو بے اثر کردیتا ہے، اور بھی بہت سے گناہ ہیں لیکن ان گناہوں کی وجہ سے اتنا برا اثر نیکیوں کے اوپر نہیں پڑتا جتنا خراب اثر اس گناہ یعنی قطع تعلق کی وجہ سے پڑتا ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "**ان من اجلال الله اكرام ذى الشيبة المسلم**". (الترغيب والترهيب حديث ١٦٥) عمر رسیدہ لوگوں کا احترام کتنا ضروری ہے، چھوٹوں پر کتنا بڑا فریضہ ہے کہ وہ بڑوں کا ادب کریں، بلند آواز سے نہ بولیں، ان کی بات کو مانیں، پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں کہ مسلمان بوڑھے شخص کا اکرام کرنا اللہ رب العزت والجلال کے احترام واکرام کے

مساوی ہے، جو بڑی عمر کے لوگوں کا احترام کرتا ہے تو وہ اللہ رب العزت کی عظمت وشان کا اعتراف کرنے والا ہے اور جو انسان بڑی عمر کے لوگوں کی توہین کر رہا ہے، ان کے سامنے زبان درازی کر رہا ہے، مقام و مرتبہ کا لحاظ نہیں رکھ رہا ہے تو نعوذ باللہ وہ پروردگار کی شان عالی کے ساتھ گستاخی کر رہا ہے بڑوں کی توہین کرنے والا گویا اللہ رب العزت کی شان عالی کو نگاہ میں نہیں رکھ رہا ہے، کتنی بڑی چیز ہے اور آج معاشرے کے بگاڑ اور فساد کی وجہ سے گھر گھر کے اندر یہ گناہ عام ہوتا جا رہا ہے، کتنے ہمارے نوجوان بھائی ہیں جو بے راہ روی کی زندگی گزار رہے ہیں، دین سے دور ہیں، نمازوں سے دور ہیں قرآن کی تلاوت سے دور ہیں، دینی کام کرنے والے افراد سے دور ہیں اور اس سوسائٹی اور ماحول کے اندر ان کی زندگی گزرتی ہے جہاں بڑوں کا کوئی احترام نہیں، اساتذہ کا کوئی احترام نہیں، ذمہ داروں کی کوئی وقعت نہیں، اسی صورت حال کا مشاہدہ ان کے گھر کے اندر رہنے والے بڑوں کو کرنا پڑتا ہے، اس میں جہاں ان نوجوانوں کا قصور ہے، وہیں ہماری بھی کمی ہے کہ ہم نے ان کو وہ سبق نہیں دیا، وہ ماحول نہیں دیا وہ تعلیمات ان تک نہیں پہچائیں تربیت کا وہ طریقہ ان تک منتقل نہیں کیا جس سے بڑوں کے ساتھ ادب واحترام کے طریقے سکھلائے جاتے ہیں اور چھوٹوں کے ساتھ شفقت کرنے کا انداز بتایا جاتا ہے، اگر تربیت کا وہی انداز ہوتا جس کی تعلیم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے تو ہمیں اس طرح کے حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، بہت سے بڑے لاڈ پیار میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور بچوں کے ساتھ ایسا معاملہ رکھتے ہیں کہ ان میں اور بچوں میں کوئی حجاب نہیں رہ جاتا اور جب حجاب نہیں رہ جائے گا چھوٹوں اور بڑوں کے درمیان تو پھر بڑوں کے احترام کی چھوٹوں کے اندر کوئی جگہ باقی نہیں رہ جائے گی اور یہی دیکھنے میں آتا ہے، آپ اس کی ہر خواہش کو پوری کریں اچھی ہو یا بری پیار اور لاڈ میں تو یہ چیز ہوگی کہ ایک دن اس بچے کو آپ کے سر چڑھا دے گی اور آپ چاہیں گے کہ وہ راستے کے اوپر آجائے، پھر بھی نہیں آپائے گا، شروع سے ایسے انداز میں تربیت کرنی پڑتی ہے، جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا ہے، اگر وہ غلطی کر رہے ہیں تو انہیں ٹوکئے ٹوکنے سے باز نہیں آرہے ہیں، تو تنبیہ کیجیے، نماز نہیں پڑھ رہے ہیں، تو زبردستی ان کو مسجد کی طرف لے جایئے، شروع میں آپ زبردستی کریں گے بعد میں وہ اس کے عادی بن جائیں گے، حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ" سات

سال کے بچے ہوجائیں تو ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا کرو "وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشَرٍ" (سنن ابو داؤد حدیث ٤٩٥) اور دس سال کی عمر تک ہمارے بچے اور بچیاں نماز نہ پڑھیں تو نہ پڑھنے پر ان کی تنبیہ بھی کیا کرو، ہلکی مار بھی لگایا کرو، اس لیے کہ شروع میں بچہ کھیل کود میں زیادہ لگا رہتا ہے ان چیزوں کی طرف اس کا دھیان نہیں ہوتا لیکن جب اس کی عادت بنائی جائے گی مزاج بنایا جائے گا، دباؤ قائم کیا جائے گا تو شروع میں وہ نہ چاہتے ہوئے یہ کام کرے گا بعد میں اللہ تعالیٰ اس کو عادی بنادیں گے۔

ہم دیکھیں کہ ہمارے بچے کس عمر کے ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے اور ہماری طرف سے ان کو تلقین کی جاتی ہے یا نہیں کی جاتی جب ہم خود نماز کی پابندی نہیں کریں گے تو پھر ہم بچوں کو بھی نماز کی پابندی کی ہدایت نہیں دے پائیں گے اور جب خود نماز کی پابندی کریں گے، پنجوقتہ نمازوں کو ادا کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ زبان میں اثر بھی پیدا فرمائیں گے، نصیحت بھی ہماری مؤثر ہوگی اور بچے بھی اسی ماحول کو اپنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینی ماحول عطا فرمائے۔

امام نہیں ملیں گے

دوسری چیز نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمائی

اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَتَدَافَعَ أَهْلُ الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُوْنَ اِمَامًا يُصَلِّيْ بِهِمْ. (سنن ابو داؤد حدیث ٥٨١)

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرمارہے ہیں کہ قیامت کے قریب ہونے کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ لوگ مسجدوں میں نماز کے لیے اکھٹے ہوں گے لیکن وہ امام نہیں پائیں گے جو ان کو نماز پڑھائے۔

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ نشانی بیان فرمائی کہ لوگ مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لیے اکھٹے ہوں گے اور ایک دوسرے سے کہہ رہا ہوگا کہ نماز پڑھاؤ نماز پڑھاؤ لیکن کوئی نماز پڑھانے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ "لَا يَجِدُوْنَ اِمَامًا يُصَلِّيْ لَهُمْ" پچاس ساٹھ آدمیوں کا سوڈیڑھ سو آدمیوں کا مجمع ہوگا لیکن کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ ہوگا جو ان کی امامت کرسکے، صحابہ کرامؓ کو تعجب ہوا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ بات سن کر کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جو لوگ خود اپنی نماز پڑھنا جانتے ہیں وہ نماز پڑھا کیوں نہیں سکتے، جیسے نماز پڑھی جاتی ہے ویسے ہی نماز پڑھائی جاتی ہے، بس فرق یہ ہے کہ اکیلے میں آدمی ہلکی آواز میں پڑھتا ہے

اورامامت کرے گا تو قرأت زور سے کرے گا، البتہ اعمال تو وہی ہیں جو مقتدی کر رہا ہے لیکن آپ نے فرمایا دین سے اتنی دوری ہوجائے گی اور جرأت وہمت دینی اعتبار سے اتنی کمزور ہوجائے گی کہ پچاسوں کا مجمع ہوگا لیکن کسی ایک کو اس حال میں نہیں پائیں گے کہ ان کی امامت کرسکیں۔ اس روایت کو اب تک تو پڑھتے ہی رہتے تھے لیکن اب تجربہ بھی ہوگیا، تجربہ اس طرح ہوا کہ ہم موسم سرما میں ایک سفر سے آرہے تھے اور فجر کی نماز کے وقت ایک علاقے میں پہنچے، جب ہم وہاں پہنچے تو پانچ بج کر چالیس منٹ ہورہے تھے، مسجد میں اترے، وضو وغیرہ کیا مسجد اندر سے تقریباً بھری ہوئی تھی کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے تو ہم نے سوچا کہ ابھی نماز نہیں ہوئی ہے لوگ نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں، ہم وضو وغیرہ سے فارغ ہوئے، وقت تنگ ہوتا چلا جارہا تھا، وضو سے فارغ ہونے کے بعد جب اندر کی طرف گئے سنتیں پڑھنے کے لیے تو لوگ باہر نکلنے لگے، ہم سنت پڑھ کر فارغ ہوئے تو کافی لوگ باہر جاچکے تھے، ہم نے سوچا کہ شاید نماز ہوگئی ہے اور لوگ نماز پڑھ کر تسبیحات پڑھ رہے ہیں، ہم سنتوں کے بعد یہ سوچنے لگے کہ تین آدمی اپنی نماز الگ کرلیں گے تو ایک صاحب آئے اور کہنے لگے کہ حضرت! نماز پڑھا دیجیے، ہم نے کہا کہ ابھی نماز نہیں ہوئی، امام صاحب کہاں ہیں؟ کہنے لگے امام صاحب چھٹی پر گئے ہیں اور کوئی نماز پڑھانے کو تیار نہیں، سب لوگ اپنی اپنی پڑھ کر جارہے ہیں، بلا مبالغہ پچاس ساٹھ آدمی وہاں پر ہوں گے، طبیعت خوش ہوئی کہ فجر کی نماز میں اتنے لوگ ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو امامت کرسکے اور اکثریت اپنی نماز پڑھ کر جاچکی تھی، جب ہم نے نماز پڑھائی تو مشکل سے ڈیڑھ صف مسجد کے اندر ہوگی حالانکہ جب ہم گئے تھے تو اندر سے مسجد بھری ہوئی تھی یہ دینی اعتبار سے دوری کی دلیل ہے، جب کبھی اتفاق نہیں ہوتا نماز پڑھانے کا، بھاگے دوڑے نماز میں شریک ہوتے ہیں اور امام کے پیچھے نیت باندھ کر پڑھ لیتے ہیں کبھی اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ دو آدمیوں کو کھڑا کرکے ان کو نماز پڑھا دیں۔ جب انسان کا تعلق دین سے دور ہوجائے گا تو اس طرح کی صورت حال سامنے آئے گی۔ اعتماد کی کمی کی وجہ سے انسان یہ کام نہیں کرپاتا اس کو اپنے اوپر اعتماد و بھروسہ ہو تو امامت کرنا کیا دشوار ہے؟ جیسے نماز تنہا پڑھی جارہی ہے ویسی ہی نماز پڑھائی جائے گی۔ آدمی کو سورۂ فاتحہ بھی یاد ہوتی ہے چھوٹی سورتیں بھی یاد ہوتی ہیں، ان کو اگر زور سے پڑھ دیگا تو امامت ہوجائے گی لیکن آپ نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ کی خرابیوں کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہوگی کہ مجمع کے اندر لوگ کسی ایسے آدمی کو نہیں پائیں گے جو ان کی اِمامت کرسکے ان کی نماز پڑھا سکے۔ □□□

دینی خدمت گزاروں کے حقوق

مولانا مفتی محمد عبداللہ قاسمی استاد دارالعلوم حیدرآباد

دین وشریعت مسلم سماج کی روح ہے، اور مسلم معاشرہ کی ایک ناگزیر ضرورت ہے، مسلمانوں کی دنیوی واخروی سعادت وبھلائی دین وشریعت سے وابستہ رہنے میں ہی مضمر اور پوشیدہ ہے، اور اس سے اعراض اور روگردانی بے شمار تباہیوں کا پیش خیمہ ہے، جب بھی مسلمانوں نے دین وشریعت سے اپنا تعلق استوار رکھا، قرآنی تعلیمات وہدایات کو اپنے لئے حرزِ جاں بنایا تو عروج واقبال مندی انہیں نصیب ہوئی اور کامیابی وکامرانی ان کی حلیف ہوئی، اور جب بھی مسلم قوم دین وشریعت سے بیگانہ ہوئی، اسلامی تعلیمات سے کنارہ کش ہوئی تو ذلت ونکبت سے دوچار ہوئی، زبوں طالعی اور حرماں نصیبی اس کے حصہ میں آئی، ایک مسلم سماج کے لئے دین وشریعت کی ضرورت واہمیت ایسی ہی ہے جیسے جسم انسانی کے لئے روح کی ضرورت واہمیت ہے، اور اسباب کے دائرہ میں جان کی حفاظت معالجین اور اطباء سے وابستہ ہے اسی طرح دین کی حفاظت وبقاء علماء کرام اور دینی خدمت گزاروں پر موقوف ہے، اگر ائمہ اور مؤذنین نہ ہوتے تو مسجدیں کیوں کر آباد رہتیں؟ خطباء اور مبلغین حضرات نہ رہتے تو لوگوں کی زندگی میں دین کیسے باقی رہتا؟ اگر علماء ومفتیان کرام نہ ہوتے تو امت کو شرعی مسائل میں رہنمائی کیسے ملتی؟ مدارس ومکاتب کا یہ بابرکت نظام نہ ہوتا تو کیا یہ ممکن تھا کہ اس پرفتن اور مہیب دور میں مسلمان اپنے مذہبی تشخصات اور اسلامی امتیازات وخصوصیات کے ساتھ باقی رہتے؟ اگر دینی جماعتیں اور تنظیمیں نہ ہوتیں تو رفاہی اور ملی کام کیسے انجام پاتے؟ اگر دینی رسائل وجرائد اور تحقیقی وتصنیفی ادارے نہ ہوتے تو اسلامی فکر کی نشر واشاعت اور اسلام مخالف نظریات وعقائد کی تردید کیسے ہو پاتی؟

یہ مدارس ومکاتب اور دینی تحریکات اسلام کے مضبوط قلعے ہیں، جہاں سے امت مسلمہ کو تازہ اور گرم خون فراہم ہوتا ہے، روحانی طاقت وقوت کا سامان بہم پہونچایا جاتا ہے، مسلمانوں میں اعمالِ صالحہ کے شوق ورغبت کو تیز اور اسپِ ہمت کو مہمیز کیا جاتا ہے، جرائم اور برائیوں سے دور رہنے کی فکر پیدا کی جاتی ہے

،اورایک صالح ،خوشگواراورصحت مندمعاشرہ کی تشکیل کی جاتی ہے،جس طرح معاشرہ میں انسانی جسم کی صحت وبقاء کے لئے ہسپتال اورشفاء خانے ناگزیر ہیں اس سے کہیں زیادہ ملتِ اسلامیہ کی بقاء وتحفظ کے لئے مدارس ومکاتب، دینی تحریکات اوردینی شخصیات کا ہونا ازبس ضروری ہے، آج مسلمانوں میں دین سے وابستگی اورشعائر اسلام سے محبت وعقیدت اوراسلام کی خاطر اپنی جان تک نثار کردینے کا جوجذبہ اورحوصلہ موجود ہے وہ مدارس دینیہ ،علماوخطباءاوردینی خدمت گزاروں کی بےلوث خدمات اورمسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہے،اس تیرہ وتاریک دورمیں اسلامی تہذیب وثقافت اوراسلامی اخلاق واقدار اپنی خصوصیات وامتیازات کے ساتھ جومسلمانوں میں باقی ہیں وہ ان دینی خدمت گزاروں اورمذہب وملت کے وفاشعاروں کی سعی پیہم اوربےآمیزومخلصانہ کدوکاوش کا ثمرہ ہے،جن کی آمدنی اتنی قلیل اورمختصر ہوتی ہے کہ سادہ رہن سہن اورمعمولی اسبابِ زندگی پرقناعت کرنا پڑتا ہے،اوران کے معاشی وسائل اتنے محدود سے محدودتر ہوتے ہیں کہ بڑے شہروں میں پرسکون جگہ پرقیام کا تصوربھی نہیں کرسکتے ،اپنے بچوں کواعلی عصری تعلیم دلانا ان کے لئے کافی مشکل ہوتا ہے، یہ تنگدستی وفاقہ مستی اوراسبابِ زندگی سے مجبوری صرف اس لئے ہے کہ یہ لوگ ایک مشن کا حصہ ہیں،اورانہوں نے اعلائے کلمۃ اللہ اوردینِ اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنی زندگی وقف کردی ہے۔

لیکن کیا کبھی ہم نے سوچا کہ ان دینی خدمت گزاروں کے متعلق ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ہمارے اوپران کے کیا حقوق اورواجبات ہیں؟ ان کے ساتھ ہمارا کیسا رویہ اورسلوک ہونا چاہیے؟ دینی خدمت گزاروں کے ساتھ ادب واحترام سے پیش آنا اوران سے عقیدت ومحبت رکھنا ایمان کا حصہ ہے،اوران کے ساتھ بےادبی اورگستاخی کے ساتھ پیش آنا نفاق کی علامت ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ثَلاثَةٌ لا يَسْتَخِفُّ بِحَقِّهِمْ إِلاَّ مُنَافِقٌ: ذُوْ الشَّيْبَةِ فِي الإِسْلامِ، وَذُوْ الْعِلْمِ، وَإِمَامٌ مُقْسِطٌ. (المعجم الكبير للطبراني رقم: ٧٨١٩)

تین لوگوں کے ساتھ بے ادبی اور بےتوقیری کے ساتھ منافق ہی پیش آسکتا ہے، بوڑھا مسلمان، عالم آدمی اورانصاف پرورامام۔

امام مقسط میں وہ شخص بھی داخل ہے جوکسی ادارے اوردینی جماعت کا ذمہ دار ہو جوعدل وانصاف اوردیانت داری پرقائم ہو،اورصدق وللّٰہیت اورتقوی وپرہیزگاری سے اس کا قلب معمور ہو۔

دینی خدمت گزاروں کے ساتھ ادب واحترام کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ان کے عیبوں کوتلاش نہ کیا جائے ، اورلوگوں کے سامنے بلاکسی ضرورتِ شرعی کے ان کی برائیوں اورکوتاہیوں کو

بیان کرنے سے گریز کیا جائے؛ کیوں کہ اس سے ایک تو عوام الناس میں ان کا وقار مجروح ہوگا، اور لوگوں کا علماء پر اعتماد ختم ہوجائے گا، دوسرے شرعی امور میں علماء کے فتاوی نا قابلِ اعتبار قرار پائیں گے، حضرت علیؓ ایک موقع سے عالمِ دین کے حقوق وواجبات تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَأَنْ لَا تَطْلُبَ زِلَّتَهُ ..... وَأَنْ لَا تَفْشِيَ لَـهُ سِـرًّا ..... وَأَنْ تَـحْـفَظَـهُ شَاهِدًا وَغَائِبًا. (كنز العمال رقم: ٢٩٥٢٠)

انسان ان کی کمزوریوں اوران کے عیوب ونقائص کا متلاشی نہ رہے، اوراگران کی کوئی کمزوری وخامی سے انسان آگاہ ہوتو لوگوں کے سامنے ان کو بیان نہ کرے۔

لیکن افسوس! آج علماء اورائمہ مساجد پر بلاتحقیق تبصرے کرنا اوران کی برائیوں کو سرعام بیان کرنا ایک عام سماجی مرض بن چکا ہے، ان کے بارے میں افواہیں پھیلانا، ان پر طعنے کسنا اوران کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا ایک وبائی مرض کی شکل اختیار کرچکا ہے، وہ لوگ جن کی زندگی خوردونوش اورلذت چشم وگوش سے عبارت ہے، فارغ البالی، خوش حالی، خوش جمالی، معیارِ زندگی کی بلندی، مغرب کی زلہ باری اوراس کے خوانِ نعمت کی ریزہ چینی جن کی زندگی کا مقصود اورمطمح نظر ہے، ایسے بدطینت اورفتنہ پرور قسم کے لوگ علماء اورمساجد کے ائمہ ومؤذنین پر بے جا تنقید کرتے ہیں، اوران پر توہین آمیز جملے کستے ہیں، اونٹوں تک کو نگل جانے والے مصلیانِ مسجد ائمہ اورمؤذنین کے اندر تنکے تلاش کرتے رہتے ہیں، ہمارے معاشرہ کی یہ صورتِ حال نہایت افسوسناک اورتکلیف دہ ہے، اور یہ پہلو فوری طور پر اصلاح طلب ہے۔

اسی طرح اہلِ علم حضرات اوردینی خدمت گزاروں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ ہم ان کی معاشی سطح کو اونچا اٹھائیں، اوران کا ہر ممکن اس قدر مالی تعاون کریں کہ اس سے ان کی گھریلو ضروریات بآسانی پوری ہوجائیں، اوروہ یکسوئی کے ساتھ دین کی خدمت انجام دے سکیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

لِـلْـفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ أُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْـجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ، تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ. (البقرة: ٢٧٣) ان فقراء کے لئے خرچ کرو جو راہِ خدا میں اس طرح گھر گئے ہیں کہ وہ (طلبِ معاش کے لئے) زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کرسکتے، ناواقف لوگ حیاء اورعفت کی وجہ سے انہیں مالدار خیال کرتے ہیں، حالاں کہ ان کے قیافے سے تم (ان کی حاجت مندی کو) پہچان سکتے ہو، اس آیت کریمہ کا مصداق وہ دینی خدمت گزار بھی ہیں جو خدمتِ دین میں مصروف ہونے کی وجہ سے طلبِ معاش کے لئے اپنا وقت فارغ نہیں کرسکتے، ان کی ضرورتوں کا خیال

کرنا اوران کی معیارِ زندگی کو بلند کرنا امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عالم کا ایک حق یہ بھی بتلایا:

وإن كانت له حاجة سبقت كل القوم إلى خدمته. (كنز العمال رقم: ۲۹۵۲۰) اگر اس کو کوئی ضرورت پیش آئے تو لوگ اس کی خدمت کے لئے سبقت کریں۔

یہ دنیا آرزوؤں اور تمناؤں سے سجائی ہوئی ہے، لیلائے سیم وزر کی توبہ شکن آغوش ہر انسان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتی ہے، دنیا کی دلفریب رنگینیاں اور ہوش ربا مناظر ہر انسان کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں، طاؤس ورباب کی لذتوں کے سامنے بڑے بڑے عزم واستقلال کے پیکر بے بس نظر آتے ہیں، ہاں نصرت خداوندی جس خوش نصیب شخص کے ہم عناں ہو تو اور بات ہے، ایسے وقت میں مرد اگر زہد وقناعت کو اپنا شعار بنالے اور مادیت کے خاردار دامن سے بچ کر نکلنے کی کوشش کرے تو کیا یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ اس کے سب گھر والے بھی اسی رنگ میں رنگ جائیں گے؛ لہٰذا دینی خدمت گزاروں کو زہد وقناعت اور توکل علی اللہ کا مشورہ دینا تسلی طفل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

آج ہم اپنے گرد وپیش کے مدارس ومساجد کا بنظر انصاف جائزہ لیں کہ علماء، مساجد کے ائمہ ومؤذنین اور دینی خدمت گزار کو کیا تنخواہیں میسر ہیں؟ کیا اس آسمان چھوتی ہوئی مہنگائی کے دور میں ان کی ضروریاتِ زندگی بھی بآسانی پوری ہوسکتی ہیں؟ کیا وہ اپنی حقیر اور معمولی تنخواہوں کے ساتھ گراں علاج ومعالجے اور اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کرنے کا تصور بھی کرسکتے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ جلسے، جلوسوں، ریلیوں اور شادی بیاہ کی تقاریب پر بے تحاشا خرچ کرتے ہیں، مسجد کی پرشکوہ اور دیدہ زیب عمارت، جاذبِ نظر گنبدوں اور بلند وبالا میناروں کے لئے بڑی سخاوت وفیاضی کا مظاہرہ کرتے ہیں؛ لیکن مساجد کے ائمہ ومؤذنین جو تعاون کے اصل مستحق ہیں ان کو نظر انداز کردیتے ہیں، اوران کی مالی امداد کرنے کی توفیق نہیں ملتی۔

کچھ لوگ علماء اور دینی خدمت گزاروں کو جدید ٹیکنیکل تعلیم سیکھنے کا مشورہ دیتے ہیں؛ تاکہ یہ لوگ عامۃ المسلمین کے چندہ اور صدقہ خیرات پر قانع اور مطمئن نہ ہوں؛ بلکہ تجارت، طب یا کسی اور پیشہ کو اپنی آمدنی کا مستقل ذریعہ بنائیں، اور معاشی لحاظ سے وہ مضبوط اور مستحکم رہیں، اور دین کی بے لوث، اور مخلصانہ خدمت کریں، تنخواہ یا کسی طرح کی اجرت لینے سے وہ گریز کریں، یہ مشورہ خواہ کتنی ہی نیک نیتی اور دردمندی کے ساتھ دیا گیا ہو؛ مگر تجربہ اور مشاہدہ سے اس کی تائید نہیں ہوتی؛ کیوں کہ عام طور پر دیکھنے

میں یہ آیا ہے کہ جو لوگ دین کی خدمت کرنے کے ساتھ تجارت یا طب یا کسی اور پیشہ میں مصروف ہوئے، تو دونوں طرف ان کی توجہ یکساں نہیں رہی، یا تو وہ تجارت اور کاروبار میں ایسا مشغول ہوئے کہ دین کی خدمت ان کے لئے ثانوی اور غیر اہم چیز بن کر رہ گئی، یا دین کی خدمت اور تدریس کتب میں ایسا مصروف ہوئے کہ تجارت اور کاروبار کی طرف ان کا دھیان نہیں رہا، دوسرے یہ کہ دنیا کا یہ ثابت شدہ اصول ہے کہ ہر صاحب فن اپنی خدمت اور اپنی محنت وکوشش کا معاوضہ لیتا ہے، ڈاکٹر اپنی خدمت کا معاوضہ مریض سے وصول کرتا ہے، وکیل اپنی خدمت کا معاوضہ عوام سے وصول کرتا ہے، تو کیا علماء کرام قوم کے نونہالوں کو دینی تعلیم سے آراستہ نہیں کرتے ہیں؟ کیا ائمہ اور مؤذنین مساجد کو آباد نہیں رکھتے ہیں؟ تو کیا پھر ان کے لئے حق خدمت وصول کرنا درست نہیں؟ کیا ان کے لئے اپنی محنت کا معاوضہ لینا جائز نہیں؟ تیسرے یہ کہ ہم قوم کو اس جانب کیوں متوجہ نہیں کرتے کہ دینی خدمت گزاروں کے معاش کو مضبوط اور مستحکم بنائیں، اور اپنی وسعت وحیثیت کے بقدر قربانی دیں؟

ایک کافی افسوسناک پہلو یہ ہے کہ دینی خدمت گزار جب اچھے اور عمدہ لباس میں ملبوس ہوتے ہیں، ائیر کنڈیشن کاروں میں سوار ہوتے ہیں، بیش قیمت اور آرام دہ فلیٹ میں سکونت پذیر ہوتے ہیں، اور ان کی زندگی کا معیار بلند ہوجاتا ہے تو بجائے اس کے کہ یہ بدطینت قسم کے لوگ اس پر خوشی ومسرت کا اظہار کریں ان کے دلوں میں کڑھن محسوس ہوتی ہے، اور ان پر فتنہ انگیز تبصرے کرتے ہیں کہ کچھ دنوں پہلے اس کے پاس رہنے کو جھونپڑی تک نہ تھی، آج بڑی بلڈنگوں میں قیام کرتا ہے، سواری کے لئے سائیکل تک اسے میسر نہ تھی آج آرام دہ کاریں اس کی قدموں میں ہیں، اس طرح کی باتیں جب اپنوں سے سننے کو ملتی ہیں تو کافی افسوس ہوتا ہے؛ بلکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جس طرح ہم اپنے عزیز واقارب کو اچھی حالت میں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، ان کی معاشی حالت مستحکم اور مضبوط ہو تو ہمیں مسرت ہوتی ہے اسی طرح دینی خدمت گزاروں کو اچھی حالت میں دیکھ کر ہمیں خوش ہونا چاہیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت پر جن تین باتوں کا خوف تھا ان میں سے ایک یہ بھی تھا:

وأن یروا اذا علمهم فیضیعونه ولا یبالون علیه. (مجمع الزوائد رقم: ٥٤٠) لوگ علماء کو دیکھیں گے، اور ان سے بے توجہی اور غفلت برتیں گے۔

یقیناً یہی پرآشوب زمانہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ **فإلی اللّٰہ المشتکی۔** □□

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے

چھٹی قسط

صدموں اور غموں بھرے لمحات

مولانا کلیم اللہ قاسمی معتمد دارالافتاء جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

سیدہ حضرت ام کلثومؓ کے وصال پر سید الکونین کو صدمہ

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحب زادی ہیں، اُن کی یہی کنیت ہی اصل نام ہے؛ کیوں کہ اُن کے یہاں کوئی اولاد سرے سے ہوئی ہی نہیں، اور کسی اور نام کا کوئی تذکرہ کتب تاریخ وسیر میں موجود نہیں ہے، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا نہایت نفیس الطبع تھیں، لباس عموماً اعلیٰ درجہ کا اور عمدہ سے عمدہ استعمال فرماتی تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو مقام ''سیراء'' کا بنا ہوا ریشمی کپڑا زیب تن کئے ہوئے دیکھا۔ (الاصابہ ۴/۴۴۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے کر دیا تھا، مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا کی، اعلانِ نبوت اور دعوتِ توحید کی آواز سن کر جن لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت شد ومد کے ساتھ مخالفت کی، اُن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابولہب بھی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وہ اپنی بدبختانہ حرکتوں میں اِس قدر آگے نکل گیا تھا کہ خداوند قدوس نے مستقل ایک سورت ''سورۂ لہب'' میں اُس کی مذمت فرمائی، چناں چہ جوشِ غضب سے مغلوب ہوکر اُس نے اپنے دونوں بیٹوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحب زادیوں کو طلاق دلوادی۔ (الاصابہ ۴/۴۳۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ منورہ کے چند ماہ بعد آپ کے حکم سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے غلام حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ آئے اور زوجہ مطہرہ حضرت سودہ اور دو صاحب زادیوں حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن کو مدینہ منورہ لے گئے۔

ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں حضرت ام کلثوم اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہما کو طلاق دے دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہ کا نکاح تو حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا، مگر حضرت ام کلثوم کو کسی کے نکاح میں نہیں دیا؛ تا آں کہ ہجرت مدینہ منورہ کے بعد رمضان المبارک ۲ر ہجری میں حضرت رقیہ کا انتقال ہوگیا، تو ربیع الاول ۳ر ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام کلثوم کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیا۔ (الاصابہ ۴ر۴۳۷، امہات المؤمنین ۱۲۸-۱۲۹)

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ربیع الاول ۳ر ہجری میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں داخل ہوئیں اور شعبان ۹ر ہجری میں اُن کا بھی انتقال ہوگیا، چھ سال سے چند ماہ زائد وہ اُن کی زوجیت میں رہیں، مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ خود انہوں نے اور حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو غسل دیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام عطیہ بھی غسل دینے والیوں میں شامل تھیں، جب غسل اور تکفین سے فراغت ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر کے پاس تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے قبر میں اُتارا۔ (الاصابہ ۴ر۴۳۷، اسد الغابہ ۵ر۴۸۶، الطبقات الکبریٰ ۱۰ر۳۷-۳۸، امہات المؤمنین ۱۳۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر پر اِس حال میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم ہائے مبارک سے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی۔ (بخاری شریف ۱ر۱۷۱ حدیث: ۱۲۷۱)

نواسے کے وصال پر صدمہ اور صبر

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اِتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی (زینبؓ) نے آپ کو بلانے کے لئے ایک آدمی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اُن کے بیٹے کا انتقال ہونے والا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے قاصد سے فرمایا کہ واپس جا کر میری بیٹی کو بتا دو کہ اللہ نے جو چیز ہم سے لے لی، وہ بھی اُسی کی ہے اور جو ہمیں دی ہے وہ بھی اُسی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے، اور اسے کہہ دو کہ وہ صبر کریں اور اللہ سے ثواب کی اُمید رکھیں، (وہ قاصد جواب لے کر صاحب زادی کے پاس گیا؛ لیکن صاحب زادی نے اُسے دوبارہ بھیج دیا) وہ قاصد دوبارہ آیا، اور اُس نے کہا کہ وہ آپ کو قسم دے کر کہہ رہی ہیں کہ آپ اُن کے پاس ضرور تشریف لے آئیں، اِس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ

کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابی ابن کعب اور حضرت زید بن ثابت اور چند صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کھڑے ہوئے، میں بھی اِن حضرات کے ساتھ گیا (جب وہاں پہنچے تو) اس بچے کو اُٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، بچے کا سانس اُکھڑا ہوا تھا (ایسی آواز آرہی تھی) جیسے کہ وہ پرانے اور سوکھے مشکیزے میں ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: ''یہ رحم اور شفقت کا مادہ ہے جسے اللہ نے اپنے خاص بندوں کے دلوں میں رکھا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے اُنہی بندوں پر رحم فرماتے ہیں جو دوسروں پر رحم کرنے والے ہوں''۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/۷۳۵-۷۳۶، بذل المجہود ۱۴/۹۱، ابوداؤد ۲/۴۴۶)

حضرت زینبؓ کے وصال پر آپ ﷺ کو صدمہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیوں میں سب سے بڑی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے تقریباً دس برس پہلے پیدا ہوئیں، اور بعثت کے بعد اَپنی والدہ ماجدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ ابتداء میں ہی اسلام قبول کر کے اس کے معماروں میں شامل ہوگئیں تھیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نہایت عمدہ اخلاق کی حامل اور بڑی خوش مزاج تھیں، طبیعت میں خوب نفاست اور عمدہ لباس کا ذوق رکھتی تھیں، چناں چہ اس زمانہ کی مشہور زرد دھاریوں والی نہایت نفیس اور عمدہ ریشمی چادر استعمال کیا کرتی تھیں۔ حضرت نبی اکرم ﷺ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ محبت اور شفقت فرماتے تھے، آپ ﷺ کی محبت وتعلق کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت زینبؓ کے شوہر ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی بغیر فدیہ کے رہائی

جنگ بدر کے قیدیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد یعنی حضرت زینبؓ کے شوہر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ ابوالعاص ہالہ بنت خویلد کے لڑکے تھے، اور ہالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن تھیں، اس لئے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ لے کر اپنی بیٹی زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت سے پہلے ہی ان کے ساتھ عقد کر دیا تھا، اور بیٹے کی طرح ان سے محبت کرتی تھیں، بعثت کے بعد حضرت خدیجہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما مسلمان ہوگئیں؛ لیکن

ابوالعاص مسلمان نہیں ہوئے۔ اختلافِ دین کی وجہ سے اُن میں جدائی کرانی لازم تھی؛ لیکن مکہ مکرمہ میں چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نافذ نہ تھا، اس لئے جدائی نہ ہوسکی۔ قریش نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کی، تو ابوالعاص سے کہا کہ تم قریش کی جس لڑکی سے چاہو، اس سے تمہارا عقد کردیا جائے، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکی کو چھوڑ دو، انہوں نے انکار کیا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم اپنے اہل کو بلاوجہ چھوڑ دیں، ان کے اس عزم وہمت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعریف کیا کرتے تھے، یہ بدر میں قید ہوکر آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا مکہ میں تھیں، تو جب دوسرے قیدیوں کے ورثہ نے اپنے اپنے آدمیوں کو چھڑانے کے لئے مکہ سے فدیہ بھیجا، تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی ان کے چھڑانے کے لئے فدیہ روانہ کیا، اس فدیہ میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے مال کے ساتھ اپنا ایک ہار بھی بھیجا تھا، یہ ہار وہ تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کے عقد کے وقت ان کو پہنا کر رخصت کیا تھا، اس ہار کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت رقت طاری ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اگر تم لوگ پسند کرو تو زینب کے قیدی کو چھوڑ دو اور اس کا مال بھی واپس کردو، اس پر سب صحابہ راضی ہوگئے اور حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ چھوڑ دیئے گئے۔

اس موقع پر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو گفتگو ہوئی، اس کا کسی کو علم نہ ہوا (لیکن بعض روایات میں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دینے کی شرط پر رہائی ہوئی) پھر واقعہ بدر کے ایک مہینے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک انصاری صحابی کو بھیجا کہ تم بطن یاجج میں جاؤ، وہاں زینب آئیں گی، اُن کو ساتھ لے آؤ، چناں چہ یہ لوگ روانہ ہوگئے، اِدھر ابوالعاص جب مکہ مکرمہ گئے، تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم اپنے والد کے پاس مدینہ جاؤ، چناں چہ انہوں نے سفر کی تیاری شروع کردی، جب فارغ ہوگئیں تو ابوالعاص کے بھائی کنانہ ابن الربیع ایک اونٹ لے کر آئے اور ان کو لے کر روانہ ہوئے، جب قریش کو خبر ہوئی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ اپنے والد کے پاس جارہی ہیں، تو چند شخصوں نے تعاقب کیا سب سے آگے ہبار بن الاسود تھا، اس نے ایک تیر مارا جو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ہودج سے آکر لگا، پھر کنانہ نے اپنا تیر کمان اُٹھایا اور کہا کہ خبردار! اگر کوئی آگے بڑھا تو میں مار ڈالوں گا، اتنے میں ابوسفیان آگئے، انہوں نے قریش کے لوگوں کو علیحدہ کیا اور کنانہ کو سمجھایا کہ ابھی بدر کا واقعہ تازہ ہے، اور تم ان کو اس طرح اعلانیہ لے جاتے ہو، یہ کیا عقل مندی ہے، ہم کو محمد کی لڑکی کو روکنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، مگر تم اس طرح نہ لے جاؤ، ابھی واپس چلو، کسی

روز پوشیدہ طور پر لے جانا، کنانہ نے مان لیا، چند روز کے بعد شب کے وقت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تک پہنچادیا، جو پہلے ہی سے بطن یاجج میں موجود تھے۔ اس طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا مدینہ چلی گئیں، اور ابوالعاص سے جدائی ہوگئی، پھر چھ برس کے بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ (اصح السیر ۹۵-۹۷)

مذکورہ بالا واقعہ سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی لاڈلی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے بے پایاں محبت اور تعلق نمایاں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی محبت اور تعلق کی وجہ سے ان کے شوہر حضرت ابوالعاص کو بلا فدیہ کے رہائی دلائی، اور پھر اخلاقِ نبوی سے متأثر ہوکر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول فرمالیا، اور ایمان وایقان کی عظیم دولت سے مالا مال ہوئے، اور پھر مدینہ منورہ میں آکر قیام فرمایا، اِس کے بعد آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوالعاص کے ساتھ اُن کی قیام گاہ پر رخصت کردیا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ رخصتی نکاحِ اول ہی کے ساتھ ہوئی، اور بعض میں ہے کہ نکاحِ ثانی کے ساتھ ہوئی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّ زَيْنَبَ عَلَى أَبِي الْعَاصِ بَعْدَ سِنِيْنَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ لَمْ يحدث صُدَاقًا. (سنن أبي داؤد، كتاب الطلاق رقم: ٢٢٤٠، سنن الترمذي رقم: ١١٤٣، سنن ابن ماجة رقم: ٢٠٠٩)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو چند سالوں کے بعد ابوالعاصؓ کے پاس بغیر مہر کے نکاحِ اول کے ساتھ بھیج دیا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَدَّ زَيْنَبَ عَلٰى أَبُو الْعَاصِ بِمَهْرٍ جَدِيْدٍ. (سنن الترمذي رقم: ١٤٤)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کو حضرت ابوالعاصؓ کی زوجیت میں مہر جدید کے ساتھ واپس کیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال مدینہ منورہ میں ۸ھ ہجری میں ہوا، حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے انتقال پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غسل دینے والی عورتوں کو یہ ہدایت کی کہ طاق مرتبہ غسل دینا، خواہ تین مرتبہ ہو یا پانچ مرتبہ، اور پانچویں مرتبہ غسل کے بعد کافور یا اُسی کے مانند کسی خوشبودار چیز کے لگانے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ غسل سے فارغ ہونے کے بعد مجھے اطلاع دینا۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ غسل سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہدایت کے مطابق ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا، تو آپ نے ایک اِزار عطا فرمایا اور ہدایت کی کہ اسے پہنا دو۔ (مسلم شریف ۱/۳۰۵)

غسل و تکفین اور نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس قبر میں اُترے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر غم وحزن کے آثار ظاہر تھے؛ لیکن دفن کے بعد جب باہر تشریف لائے تو مسرور وشادمان تھے، پھر خود ہی شادمانی کی وجہ بیان فرمائی کہ مجھے زینب کی کمزوری یاد آئی، تو میں نے یہ دعا کی کہ باری تعالیٰ قبر کی تنگی اور اس کے غم سے تو زینب کی حفاظت فرما، یہ دعا شرفِ قبولیت سے باریاب ہوگئی۔ (اسد الغابہ ۵/۲۹۹)

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اَلم ناک شہادت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم معظم سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں جامِ شہادت نوش فرمایا، دشمنوں نے ان کے ساتھ مثلہ کرنے اور جگر چبانے کا جو معاملہ کیا، اس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو بہت اذیت پہنچی، اس کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی غمگین ہوئے، اس موقع پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے بے مثال اور تسلی بخش تعزیتی قصیدے پیش کئے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی دل کو تسکین دینے کی کوشش کی، اور کفار ومشرکین کو ان کی حرکتوں پر ملامت کی۔ ان میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں:

بكت عيني وحق لها بكاها ❖ وما يغني البكاء ولا العويل

ترجمہ:- اللہ کے شیر پر میری آنکھیں اَشک بار ہوئیں اور ان کو رونے کا پورا حق حاصل ہے؛ لیکن اب رونے دھونے کا کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں۔

على أسد إلا له غداة قالوا ❖ لحمزة ذاكم الرجل القتيل

ترجمہ:- اللہ کے شیر پر میری آنکھیں اس صبح کو آنسو بہانے لگیں، جب کہا جانے لگا کہ کیا حمزہ وہ بلند قامت انسان دنیا سے جاتا رہا۔

أصيب المسلمون به جميعًا ❖ هناك وقد أصيب به الرسول

ترجمہ:- تمام مسلمانوں کو ان کا سخت صدمہ پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل زخمی ہوا (خاص طور سے مثلہ کرنے اور جگر چبانے کی وجہ سے)

أبا يعلىٰ لک الأركان هدت ❖ وأنت الماجد البر الوصول

ترجمہ:- اے ابویعلی! ارکانِ عالم آپ کی موت سے لرز اٹھے، اور آپ ہی وہ شریف نیکوکار اور اپنے مقصد تک پہنچنے والے انسان ہیں۔

عليک سلام ربک في جنان ❖ يخالطها نعيم لا يزول

ترجمہ:- جنت کے باغوں میں آپ پر آپ کے رب کی سلامتی ہو، جہاں لازوال نعمتیں ہیں۔

ألا يا هاشم الأخيار! صبرًا ❖ فكل فعالكم حسن جميل

ترجمہ:- اے آلِ ہاشم! دنیا کے منتخب ترین لوگو! صبر کرو، اس لئے کہ تمہارے تمام افعال بہتر اور عمدہ ہیں۔

رسول اللّٰه مصطبر كريم ❖ بأمر اللّٰه ينطق إذ يقول

ترجمہ:- اللہ کے رسول نہایت صبر کرنے والے اور صاحب کرم ہیں، وہ اللہ کے حکم سے بولتے ہیں جو کچھ بھی بولتے ہیں۔ (اسد الغابہ ۱/۵۳۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مثلہ کی ہوئی لاش کے پاس کھڑے ہوئے، تو دیکھا کہ پیارے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مثلہ کر دیا گیا ہے، اس منظر کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ اور تکلیف پہنچی، اتنا تکلیف دہ منظر آپ نے کبھی نہیں دیکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا! اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت کی بارش فرمائیں، آپ بہت زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور بہت زیادہ بھلائی کے کام کرنے والے تھے۔ (اسد الغابہ ۱/۵۳۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو مقتول دیکھا تو آپ رو پڑے، اور پھر جب مثلہ کا دردناک منظر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کی وجہ سے سسکیاں بندھ گئیں۔ (اسد الغابہ ۱/۵۳۰)

سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر رنج وغم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب شہید ہوگئے، تو آپ نے ایسا دردناک منظر دیکھا کہ اُس سے زیادہ دردناک منظر کبھی نہ دیکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اُن کے کان، ناک وغیرہ اعضاء کاٹ دئے گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت تم پر ہو، جہاں تک مجھے معلوم ہے تم صلہ رحمی کرنے والے اور بہت زیادہ نیکیاں کرنے والے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر تمہارے بعد والے رشتہ داروں کے رنج وغم کے زیادہ ہونے کا خطرہ

نہ ہوتا، تو میری خوشی اِس میں تھی کہ میں تمہیں یہیں ایسے ہی چھوڑ دیتا اور دفن نہ کرتا، اور تمہیں درندے کھا جاتے، یوں تمہاری قربانی اور بڑھ جاتی؛ تاکہ اللہ تمہیں درندوں کے پیٹوں میں سے جمع کر کے اُٹھاتا، اللہ کی قسم! اِن کافروں نے جیسے تمہارے ناک کان اور دیگر اعضاء کاٹے ہیں، میں اُن میں سے ستر کافروں کے اِسی طرح ناک کان اور اعضاء کاٹوں گا، اس پر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سورت لے کر نازل ہوئے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ، وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصّٰبِرِيْنَ. وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ. (النحل: ۱۲۶-۱۲۷)

اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے، اور اگر صبر کرو تو وہ (صبر کرنا) صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے۔ آپ صبر کیجئے، آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق خاص سے ہے، اور اُن لوگوں (ایمان نہ لانے والوں یا مسلمانوں کو ستانے) پر غم نہ کیجیے اور جو کچھ یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں، اس سے تنگ دل نہ ہوئیے۔

اِس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس قسم کو پورا نہیں فرمایا؛ بلکہ کفارہ ادا فرمایا۔ (مستفاد: تفسیر مظہری ۲۴۶/۵-۲۴۷، حیاۃ الصحابہ ۷۳۶/۲)

اِس میں چوں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرطِ غم سے بلالحاظ تعداد ان صحابہ کے بدلہ میں ستر مشرکین کے مثلہ کرنے کا عزم فرمایا تھا، جو اللہ کے نزدیک اِس اُصولِ عدل ومساوات کے مطابق نہ تھا، جس کو آپ کے ذریعہ دنیا میں قائم کرنا منظور تھا، اس لئے ایک تو اس پر متنبہ فرمایا گیا کہ بدلہ لینے کا حق تو ہے؛ لیکن اسی مقدار اور پیمانہ پر جس مقدار کا ظلم ہے، بلالحاظ تعداد چند کا بدلہ ستر سے لینا درست نہیں، دوسرے آپ کو مکارم اَخلاق کا نمونہ بنانا مقصود تھا، اس لئے یہ نصیحت کی گئی، برابر سرابر بدلہ لینے کی اگرچہ اِجازت ہے، مگر وہ بھی چھوڑ دو اور مجرموں پر احسان کرو، یہ زیادہ بہتر ہے۔

اِس پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ہم صبر ہی کریں گے، کسی ایک سے بھی بدلہ نہیں لیں گے، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا فرمادیا۔ (معارف القرآن ۴۳۴/۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل ہم تمام امتیوں کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا ہے، کتنے ہی تکلیف دہ حالات سے دوچار ہونا پڑے، صبر کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے، اور اللہ کے فیصلوں پر راضی برضا رہنا ہی بندگی ہے۔

❍❖❍ (جاری)

قلم کی کہانی؛ خود اَپنی زبانی

مولانا محمد سلیم ندوی بلگامی

میں قلم ہوں، مجھے ہر انسان اپنی بولی اور زبان میں جدا جدا الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ میرے خالق نے مجھے اپنی آخری کتاب میں لفظِ ''قلم'' سے یاد فرمایا ہے۔ (القلم:۱، العلق:۴)

میری پیدائش ارشادِ رسول کے مطابق اُس وقت ہوئی ہے، جب کہ ابھی میرے رب نے کائنات کی کسی شئی کو وجود نہیں بخشا تھا، وجود وظہور میں سب سے پہلے ''میں'' ہوں، پھر مجھے حکم ربانی ہوا، کہ ''لکھ'' تو میں نے منشاء الٰہی کے مطابق ہر وہ چیز لکھ دی، جو اَزل سے اَبد تک ہونے والی ہے۔ (ترمذی رقم:۳۳۱۹)

میرا کام لکھنا ہے، آواز کی صورت گری کرنا ہے، فکر وخیال کی مجسمہ سازی ہے، الفاظ کو لباس کا جامہ پہنانا ہے۔ میرا وجود بے جان ہے، میں سماعت وبصارت سے خالی ہوں، نطق وبیان میری تحریر ہے۔ میں اپنی ذاتی فکر وخیال اور ارادہ سے عاری وخالی ہوں۔ میں خود نہیں چلتا ہوں، حرکت دینے والا مجھے اپنے ارادہ کے مطابق حرکت دیتا ہے، میں اِس بات سے بے خبر ہوں کہ یہ میری کمزوری ہے یا خوبی، کہ جو جس طرح اور جس نیت سے چلاتا ہے، میں چل پڑتا ہوں۔ نیک لوگ مجھے بھلے اور اچھے کام کیلئے اور برے لوگ اپنی برائی کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ کبھی میں ایمان کی باتیں لکھتا ہوں، تو کبھی کفر کی باتیں۔ مجھ سے کوئی محبت ومودت کی تحریریں لکھتا ہے، تو کوئی نفرت وعداوت کی لکیریں کھینچتا ہے۔ کوئی نوکِ قلم سے دو جدا دلوں کو محبت کے ٹانکوں سے جوڑتا ہے، تو کوئی نوکِ قلم سے زہریلے سانپ کی طرح ڈس کر دو دلوں کو مسموم کرتا ہے۔ کبھی میں متقی وخدا ترس کے ہاتھ میں ہوتا ہوں، تو کبھی فاسق وفاجر کے ہاتھ میں۔ متقی وخدا ترس لکھنے سے قبل سوچتا ہے۔ لکھتے ہوئے خدائی استحضار رکھتا ہے۔ لکھ کر لکھی ہوئی عبارت کا بے لاگ جائزہ اور محاسبہ کرتا ہے۔ وہ اپنی تحریر سے رب کی رضا کا طلب گار رہتا ہے۔ وہ قلم کو حرکت دیتا ہے؛ تاکہ پیغامِ ربانی کی اشاعت ہو، رسولِ اکرم کے دُرِّ آبدار کو بکھیریں، دین وشریعت کے اوامرات ومنہیات کی خبر دیں، انسانوں کو خدا کا پسندیدہ راستہ دکھائیں، نفس وشیطان کے مکر وکید سے انسانوں کو باخبر

کریں۔اس کے برعکس فاسق وفاجر مجھ سے نفس چاہی باتیں لکھتا ہے، برے جذبات کو بَرانگیختہ کرتا ہے،چمنِ محبت میں نفرت ودشمنی کی آبیاری کرتا ہے،نہ خدا سے ڈرتا ہے،نہ اُس کا ضمیر اُس کوجھنجوڑتا ہے،مطلب پرست لوگ اپنے مطلب براری کیلئے اُس کواور اُس کے قلم کو چند معمولی سکوں میں خرید لیتے ہیں۔اُس کا ایمان مادہ پرستی اور مال پروری ہوتا ہے،اور وہ خود کم ظرف اور اُس کا ضمیر،ضمیر فروش ہوتا ہے۔تاریخ انسانی کے کتنے اوراق اِس رُوسیاہی سے پُر ہیں۔میرا یہ حال خود صدا گو ہے کہ میں لوگوں کے ہاتھوں میں بازیچۂ اطفال ہوں۔

میرا کام زبان کے مانند ہے۔فرق یہ ہے کہ زبان کے الفاظ سنے جاتے ہیں،جب کہ میرے الفاظ دیکھے بھی جاتے ہیں۔زبان سے نکلے الفاظ فضاؤں میں تحلیل ہوجاتے ہیں،جب کہ میرے الفاظ منقش پتھر کی طرح محفوظ ہوجاتے ہیں۔بول کا زمانہ مختصر اور میرا زمانہ تادیر۔بولی کو وہ مقام حاصل نہیں،جو لکھائی کو حاصل ہے۔جو اُصول وآداب زبان کی بولی کے ہیں،وہی احکام قلم کی لکھائی کے ہیں۔جس طرح زبان سے بولنا اور پڑھنا رب کے نام سے ہو۔(علق:۱)اسی طرح قلم سے لکھنا بھی رب کے نام سے ہو۔زبان کے بول میں خیر ضروری ہے،ورنہ خاموشی بہتر۔(بخاری رقم:۶۴۷۶)یہی اُصول حرکتِ قلم کے وقت ہے،جس طرح زبان سے کہی بات کی تحقیق ضروری ہے۔(حجرات:۶)اِسی طرح تحریرِ قلم کی تحقیق ضروری ہے۔زبان کا ایک بول رضاءِ خداوندی کا سبب ہوسکتا ہے۔(بخاری رقم:۶۱۱۳)قلم کا ایک جملہ بھی یہی شان رکھتا ہے۔جس طرح زبان کا ہر بول کاتبانِ اعمال فرشتوں کی گرفت میں ہے۔(ق:۱۸)یہی نگرانی کا نظام تحریرِ کلام پر بھی قائم ہے۔زبان کی نرمی،کلام میں خوبصورتی اور اُس کی سختی بدصورتی کو جنم دیتی ہے۔(کنزالعمال رقم:۶۷۷۷۳)یہی کیفیت بیانِ تحریری کی ہے۔زبان کیلئے یادِ الٰہی کا حکم ہے۔(جمعہ:۱۰) قلم بھی اِسی حکم سے مربوط ہے۔جس طرح زبان سے غیبت حرام ہے۔(حجرات۱۲)اِسی طرح غیبتِ قلم باعثِ لعنت ہے۔زبان کا جھوٹ منافق کی علامت ہے۔(بخاری رقم:۲۵۳۶)قلمی جھوٹ بھی اُسی صفت کا مظہر ہے۔کسی کے جھوٹے ہونے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ جو سُنے،دوسرے سے بیان کرے۔(کنزالعمال رقم:۸۹۸۸)یہی حال بے تحقیق قلم کا رکا ہے۔کسی کو زبان سے تہمت لگانا قابلِ ہلاکت گناہ ہے۔(بخاری رقم: ۲۶۱۵)نگارشِ قلم سے کسی کو تہمت زدہ کرنا اِسی حکم میں ہے۔

میرے رب سبحانہ وتعالیٰ نے اُسی وقت میری اہمیت وضرورت اور مقام کا راز افشا کردیا تھا،جب

کہ اُس نے اپنی آخری کتاب کا آغاز ''سورۂ اقرأ کی پانچ آیات'' سے فرمایا تھا۔جس نے: ﴿اِقْـــرَأْ بِـاسْمِ رَبِّکَ﴾ اور ﴿عَـلَّـمَ بِـالْـقَلَم﴾ کہہ کر بتادیا کہ آخری دور قلم کا،علم ونظریات کا اور فکر وفلسفہ کا ہوگا۔یہی وجہ تھی کہ اس امت نے تھوڑی سے مدت میں کتنے بڑے بڑے کتب خانے تیار کر لئے،ان گنت نئے فنون میں ہزاروں کتابوں کا ذخیرہ تیار کر دیا،اور انسانی دنیا کو مادی وروحانی،معالجاتی وترقیاتی، اور اپنے فکر وقلم سے ہزاروں انقلابات کی بنیاد ڈالی۔

صالح مفکرین نے مجھ سے صلاح وخیر کا کام لیا ہے۔اور فاسد علمبرداروں نے سماج میں ترویجِ فتنہ وفساد کا کام کیا ہے۔دین ودنیا،اچھا وبرا،خیر وشر،صلاح وفساد،وصل وفصل اور محبت وعداوت ہر تحریر،میں نے نقش کر دی ہے۔مگر ناز ہے مجھے!اُن کاتبوں اور قلم کاروں پر،جنہوں نے مجھ سے دین وایمان کے حقائق لکھے،قرآن وسنت کی تشریحات رقم کی،سیرت وسوانح کے انمٹ نقوش درج کئے۔امام ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) جو مفسرین ومحدثین کے مقتدیٰ اور مورخین کے گروہ کے سرخیل،اپنے وقت کے امام اور زبردست مجتہد ہیں،جن کی کثرتِ تالیف اور حسنِ تصنیف نے اُنہیں اسلامی تاریخ کا سب سے عظیم محقق بنادیا،آپؒ نے اپنی زندگی کے چالیس سال ایسے گذارے ہیں،جن میں چالیس اوراق یومیہ تصنیف کرنا،اُن کے معمولات میں شامل تھا۔انہوں نے اپنی تصانیف کی شکل میں ''تین لاکھ پچاس ہزار سے زائد'' اوراق بطورِ یادگار چھوڑے ہیں۔(قیمۃ الزمن عند العلماء) ابن شاھین جن کے بارے میں امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے،کہ آپؒ نے تین سو تیس کتابیں لکھی،جن میں سے ''التفسیر الکبیر'' ایک ہزار اجزاء پر،''المسند'' تیرا سو اجزاء پر،''التاریخ'' ایک سو پچاس اجزاء پر،اور ''الزھد'' ایک سو اجزاء پر مشتمل کتابیں ہیں۔انہوں نے تصنیفِ کتب کے لئے ۷۰۰/دراہم کی روشنائی خریدی،جو قدیم دور میں ایک بڑی رقم شمار ہوتی تھی۔ابن عقیلؒ (متوفی ۵۱۳ھ) مختلف علوم وفنون میں تقریباً بیس کتابیں لکھی،جن میں دنیا کی سب سے بڑی تصنیف ''الفنون'' لکھی۔ابن رجبؒ کا بیان ہے کہ یہ کتاب آٹھ سو جلدوں میں تھی۔علامہ ابن جوزیؒ (متوفی ۵۹۷ھ) نے پانچ سو سے زائد کتب تصانیف کئے۔آپؒ کے نواسے ابو المظفر کا بیان ہے کہ میں نے اپنے نانا کو آخری عمر میں یہ کہتے ہوئے سنا ہے،کہ میں نے اپنے ہاتھ سے دو ہزار جلدیں تصنیف کی ہیں۔(تذکرۃ الحفاظ ۱۳۴۴/۴) ابن جوزیؒ نے اپنے قلم سے جو احادیث قلم بند کی تھیں،اُن کے تراشے اور ٹکڑے جمع کئے گئے،تو وہ اِتنے زیادہ ہوئے کہ آپؒ نے وصیت کی،کہ میرے

مرنے کے بعد میرے غسل کا پانی اُن ٹکڑوں سے گرم کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، پانی گرم ہونے کے بعد بھی وہ تراشے بچ گئے۔ (الکنی والالقاب ۱/۲۴۲) امام فخر الدین رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ) نے دوسو تصانیف لکھی، جن میں بعض تصانیف ایک سو تیس اجزاء پر مشتمل ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) ۵۷ سال کی عمر پائی، ۵۰۰ کتابیں بطورِ یادگار چھوڑی۔ (قیمۃ الزمن عند العلماء) ماضی قریب میں ہندوستان کے ایک عظیم محقق و مدقق امام عبدالحی لکھنوی (متوفی ۱۳۰۴ھ) جنہوں نے صرف ۳۹ سال عمر پائی، اُن کی تصانیف ۱۱۰ سے متجاوز ہیں، جن میں بعض ضخیم اور کئی جلدوں میں ہیں، پھر مزید کمال یہ ہے، کہ ان کی تمام کتابیں مشکل مباحث پر مشتمل ہیں۔ ایک اور بلند پایہ شخصیت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (متوفی ۱۳۶۲ھ) جنہوں نے ۸۲ سالہ عمر میں ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھی۔ علامہ زاہد الکوثریؒ نے اپنے مقالات میں قرآن کریم کی خدمت کے بعض پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابوالحسن اشعری کی تفسیر ''المختزن'' ۷۰ جلدوں میں، قاضی عبدالجبار ہمدانیؒ کی تفسیر ''المحیط'' ۱۰۰ جلدوں میں، ابو یوسف عبد اسلام قزوینی کی تفسیر ''حدائق ذات بھجۃ'' ۳۰۰ جلدوں میں، ابن شاھینؒ نے ایک ہزار اجزاء پر مشتمل تفسیر ''التفسیر الکبیر'' لکھی، قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے ''انوار الفجر'' کے نام سے تقریباً ۸۰ ہزار اوراق میں تفسیر رقم کی، علامہ قطب الدین شیرازیؒ کی تفسیر ''فتح المنان'' جس کو تفسیر علامی کہا جاتا ہے، ۴۰ جلدوں میں لکھی گئی ہے۔ یہ اُن لوگوں کا ایک طائرانہ جائزہ ہے، جنہوں نے مجھ سے خیر وصلاح کا کام لیا، اور بھلائیوں کو عام کیا ہے۔

آج میں پوری امتِ مسلمہ سے گویا ہوں، کہ تم ہی وہ قوم ہو! جن میں نعمانؒ بن ثابت جیسا صاحبِ فہم ونظر تھا، غزالیؒ جیسا صاحبِ علم تھا، رازیؒ جیسا نقطہ داں تھا، ابن قیمؒ جیسا صاحبِ قلم تھا، جابر بن حیان (المتوفی ۱۹۸ھ ۸۱۳ء) اور عطار بن محمد الکاتب (المتوفی ۲۱۴ھ ۸۳۲ء) جیسا کیمیاء داں (MINERALOGY) تھا، ابوحنیفہ الدینوری (المتوفی ۲۸۵ھ ۸۹۵ء) جیسا ماہرِ نباتیات (BOTANY) تھا، ابومعمر بن مثنیٰ (المتوفی ۹۰۲ھ ۷۲۸ء) جیسا ماہرِ حیوانیات (ZODOGY) تھا، جابر بن حیان جیسا ''علم الکیمیا (CHEMISTRY) کا باوا آدم'' تھا، ابو یوسف یعقوب کندی (۲۵۸ھ ۸۷۳ء) جیسا علم الطبیعات (PHYSICS) اور فلسفہ (PHILOSOPHY) کا امام تھا، محمد بن موسیٰ خوارزمی (متوفی ۲۳۲ھ ۸۴۶ء) جیسا حساب (MATHEMATICS) الجبراء (ALGEBRA) اور جیومیٹری (GEOMETRY) کا بانی

تھا، ابوبکر بن زکریا الرازی جیسا علم الطب (MEDICINE) میں ماہر تھا۔ جنہوں نے اِس راز کو پہچان لیا تھا، کہ آخری زمانہ، قلم کا زمانہ ہے۔ جس سے قومیں عروج اور زوال پذیر ہوں گی۔

تھے تو آباء وہ تمہارے مگر تم کیا ہو !

آج کتنے بڑے بڑے اور قسم قسم کے فتنے ابھر رہے ہیں، جو اسلام اور مسلمانوں کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے ہیں، اسلامی تاریخ کو مسخ کر کے اُس کو فرسودہ و بوسیدہ کر دینے پر تُلے ہیں، جو اسلام سوز، دین سوز، ایمان سوز، اخلاق سوز، بلکہ انسانیت سوز فتنے ابھر رہے ہیں۔ بقول مولانا علی میاںؒ کہ ''مادیت، الحاد، قوم پرستی، نبوتِ محمدیؐ سے آنکھیں ملانے کیلئے تیار ہے، آج مسیلمہ کذاب نئے نئے روپ میں آرہا ہے اور نبوتِ محمدی کو چیلنج کر رہا ہے۔ آج سر کٹانے اور کاٹنے کی ضرورت نہیں، آج باطل سے آنکھیں ملانے کی ضرورت ہے، آج نبوتِ محمدیؐ پر تلواروں کا حملہ نہیں، دلیلوں کا حملہ ہے، مادیت کا حملہ ہے، قوم پرستی کا حملہ ہے''۔ قلم اور تلوار، ان دونوں کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے، فرق یہ ہے کہ تلوار کی ضرورت وقتی و عارضی، اور قلم کی ضرورت دائمی ہے، اور یہ بات بھی مسلّمہ ہے کہ قلم کی طاقت، تلوار سے زیادہ ہے۔ تلوار کا خیر و شر وقتی، اور قلم کا تادیر ہے۔ تلوار کا زخم خود بخود مٹ جاتا ہے، قلم کا زخم مٹائے نہیں مِٹتا ہے۔ آج اسلام پر اُٹھنے والے باطل اشکالات، اور قانونِ الٰہی پر لگائے گئے ظالمانہ اعتراضات کا مثبت، مدلل، ٹھوس اور حکیمانہ جواب کی ضرورت ہے۔ ہر دور اور زمانہ کیلئے تعلیماتِ اسلامی کا قابلِ عمل ہونا اور ساری مخلوق کے لئے اُس کا باعثِ راحت و خیر ہونے کی مدبرانہ و فقیہانہ استدلال و تشریح کی ضرورت ہے۔ آج باطل کی تحریف کردہ اسلامی حقائق کو صداقت و عدالت کے معیاری ترازو سے تول کر حقیقت کو واشگاف اور واضح کرنے کا وقت ہے۔ جس کیلئے شستہ و شگفتہ قلم، دلکش پیرایہ اور بہتر اسلوب کی ضرورت ہے، جس آواز کو نہ صرف زمانہ سُنے بلکہ قبول کرے، اور اُس صدا کو لبیک کہہ کر سینہ سے لگائے۔ دورِ حاضر عدالت و صداقت، حیا و پاکدامنی، اور خیر خواہی و دردِ انسانیت میں مثالی انقلاب کا منتظر ہے۔ اور یہ انقلاب قلم سے لایا جا سکتا ہے، فرق صرف استعمال کا ہے، بعض قلم انقلاب لے آتے ہیں، اور بعض صرف شلوار میں ناڑا ڈالنے کے کام آتے ہیں۔

وصل کے اسباب پیدا ہوں تیری تحریر سے
دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تیری تقریر سے

❍❖❍

اولیاتِ صحابہؓ

انصارِ مدینہ میں

سب سے پہلے اِیمان لانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم

مولانا مفتی ابوجندل قاسمی استاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفرنگر یوپی

(۱۲) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ

نام ونسب:- نام عبادہ، کنیت ابوالولید، قبیلہ خزرج کے خاندان ''بنوسالم'' سے ہیں، نسب نامہ یہ ہے: عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر بن قیس بن ثعلبہ بن غنم (قوقل) بن سالم بن عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج۔ والدہ کا نام ''قرۃ العین'' تھا، جو عبادہ بن نضلہ بن مالک بن عجلان کی بیٹی تھیں، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا نام نانا کے نام پر رکھا گیا۔ (الاصابہ ۶۲۵/۳، ترجمہ ۴۵۰۰۔ اسد الغابہ ۵۷۳/۱، ترجمہ عبادہ بن الصامتؓ)

علامہ ابن الکلبیؒ کے بقول غنم کو ''قَوقِل'' اور خاندان کو ''بنوقواقل'' کہتے تھے، جس کی وجہ سیرت ابن ہشام میں یہ بیان کی گئی ہے کہ ''جب ان سے کوئی پناہ طلب کرتا تو وہ اس کو ایک تیر دیدیتے اور کہتے ''قَوْقِلْ بِهٖ بِيَثْرِبَ حَيْثُ شِئْتَ''، اس کو یثرب (مدینے) میں جہاں چاہو لے کر جاؤ''۔ اور علامہ ابن حبانؒ نے کتاب الثقات میں یہ وجہ بیان کی ہے کہ ''زمانۂ جاہلیت میں جب ان کے پاس کوئی مہمان آتا تو وہ مہمان سے کہتے ''قَوْقِلْ حَيْثُ شِئْتَ وقُلْ مَا شِئْتَ''، یعنی جہاں چاہو جاؤ اور جو چاہے کرو تم کو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا، کیوں کہ تم میری امان میں ہو۔ (سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۲۵۰/۲، باب بیعۃ العقبۃ الاولیٰ۔ کتاب الثقات لابن حبان ۳۰۲/۳، ۳۰۳)

آپ کا قبولِ اسلام وبعض حالات:

○ مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفا وعظمۃ) میں جن خوش نصیب لوگوں کو ابتداء ہی میں اسلام کی توفیق ہوئی انہی میں سے ایک حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بھی ہیں، بعض مؤرخین کی رائے میں آپؓ عقبہ کی تینوں بیعتوں میں شریک ہوئے، جب کہ اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ آپ صرف بیعت عقبۂ اولیٰ وثانیہ میں شریک ہوئے، بیعت عقبۂ ثانیہ میں آپ کو ''بنوقواقل'' کا نقیب تجویز فرمایا گیا۔ (فتح الباری ۶۵۶/۸، کتاب مناقب الانصار، باب وفود الانصار الخ۔ سیرت ابن ہشام مع الروض الانف ۲۴۹/۲)

○ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ جیسے ہی مکہ مکرمہ (زادہا اللہ شرفا وکرامۃ) سے اسلام کی دولت لازوال سے مشرف ہوکر واپس ہوئے تو اپنی والدہ محترمہ کو بھی دعوت دی، اوران کو بھی اسلام کی یہ نعمت عظمیٰ حاصل ہوئی۔

○ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے دوست تھے، ان کو بھی اسلام کی دعوت دی، ان کے گھر میں ایک بڑا سا بت رکھا تھا، ایک روز موقع پا کر اندر گئے اور بت کو بسولے سے توڑ ڈالا، اس کے بعد حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو بھی ہدایت نصیب ہوئی۔ (سیر الصحابہ، سیر انصار ۲/۴۹)

○ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر انصار ومہاجرین کے درمیان مواخات قائم فرمائی تو حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا بھائی تجویز فرمایا۔

○ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر واُحد، خندق وبیعتِ رضوان وغیرہ تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔ (الاستیعاب ۱/۴۸۵، ۴۸۶۔ اسد الغابہ ۱/۵۷۳، ترجمہ عبادہ بن الصامتؓ)

○ جس وقت سورۂ مائدہ کی آیت "لَاتَتَّخِذُوا الْیَھُودَ وَالنَّصَارٰی اَوْلِیَآءَ" الخ، نازل ہوئی، تو اس وقت حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے بنوقینقاع وغیرہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات تھے، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے ان سے اپنے تعلقات ختم کر لیے، اور کہا کہ میں ان لوگوں سے برأت اختیار کرتا ہوں اور اللہ ورسول کے تعلق پر راضی ہوں۔ (تفسیر درّ منثور ۳/۹۸۔ البدایہ والنہایہ ص ۵۲۰، خبر یہود بنی قینقاع من اہل المدینۃ)

خلافت راشدہ کے زمانے میں:

○ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ ملک شام کی بعض جنگی مہموں میں شریک ہوئے۔

○ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر فوج کشی کی، اس کے فتح ہونے میں جب دیر ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس مزید کمک کے لیے خط لکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار ہزار افراد پر مشتمل فوج روانہ کی، جس میں ایک ہزار افراد پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو افسر مقرر کیا، اور لکھا کہ ان افسروں میں سے ہر شخص ایک ہزار افراد کے برابر ہے، یہ کمک جب مصر پہنچی تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے تمام فوج کو اکٹھا کر کے ایک مؤثر تقریر فرمائی، اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے نیزے پر اپنا عمامہ باندھ کر ان کے حوالے کیا، اور کہا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے، اور آج آپ سپہ سالار ہیں،

اس کے بعد حملہ کیا گیا، حملہ کرتے ہی شہر فتح ہو گیا۔ (سیر الصحابہ، سیر انصار ۲/۴۹، ۵۰)

○ جب ملک شام فتح ہوا تو امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو ملک شام بھیجا؛ تاکہ اہل شام کو قرآنِ کریم سکھائیں اور ان کے اندر دینی سمجھ پیدا کریں، نیز ان کے درمیان فیصلے کریں، آپ نے حمص میں قیام کیا، اس کے بعد فلسطین منتقل ہو گئے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وہاں کے امیر تھے، کسی معاملے میں ان سے اختلاف ہو گیا، جس کی وجہ سے مدینہ منورہ آ گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر واپس بھیجا کہ اس سرزمین میں کوئی خیر نہیں جہاں آپ اور آپ جیسا کوئی آدمی نہ ہو، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ تم کو ان پر کوئی امارت نہیں، امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''فلسطین میں سب سے پہلے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کو قضاء کا عہدہ سپرد کیا گیا''۔ (الاستیعاب ۱/۴۸۶۔ تاریخ ابوزرعہ الدمشقی ۱/۱۰، ۱۳)

○ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے (جو کہ ملک شام کے امیر تھے) ایک مرتبہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کو حمص میں اپنا نائب بنایا، حمص کے زمانے میں آپؓ نے لاذقیہ پر فوج کشی کی، اس کے فتح ہونے میں جب پریشانی ہوئی تو آپ نے ایک خاص کام یہ کیا کہ بڑے بڑے گڑھے کھدوائے جس میں ایک آدمی مع اپنے گھوڑے کے چھپ سکتا تھا، اسکے بعد اچانک حملہ کیا، اور اللہ نے فتح عطا فرمائی۔ (فتوح البلدان للبلاذریؒ ص ۱۸۰، ۱۸۱)

فضل وکمال:

○ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ میں تھے، قرأت آپ کا خاص فن تھا، محمد بن کعب قرظیؒ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پانچ انصاری صحابہ نے پورا قرآن کریم حفظ کیا تھا: عبادہ بن الصامت، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، ابوایوب، ابوالدرداء رضی اللہ عنہم اجمعین۔

○ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحابِ صفہ کو بھی قرآنِ کریم کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

○ خلافت فاروقی میں جب ملکِ شام کے مسلمانوں کو قرآن کریم اور فقہ کی تعلیم کی ضرورت ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کام کے لیے انہی کا انتخاب فرمایا، آپؓ پہلے حمص گئے، پھر فلسطین منتقل ہو گئے۔ (اسد الغابہ ۱/۵۷۴، ترجمہ عبادہ بن الصامت۔ الاصابہ ۳/۶۲۴، ترجمہ ۴۵۰۰)

○ یعلی بن شداد کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے طاعون میں بھاگنے کا تذکرہ کیا، اور کہا کہ اس سلسلے میں میری اور عبادہ کی گفتگو ہو چکی ہے، بات وہی ٹھیک ہے جو انہوں نے کہی، تم لوگ ان

سے فائدہ اٹھاؤ کیوں کہ وہ مجھ سے زیادہ فقیہ ہیں۔(الاصابہ۳/۶۲۶،ترجمہ۴۵۰۰)

تعدادِ مرویات ورُوات: - آپؓ سے ایک سواکیاسی (۱۸۱) احادیث شریفہ مروی ہیں، آپ سے روایت کرنے والوں میں صحابۂ کرامؓ میں سے انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، فضالہ بن عبید، مقدام بن معدیکرب، ابوامامہ باہلی، رفاعہ بن رافع، اوس بن عبداللہ ثقفی، شرحبیل بن حسنہ، محمود بن الربیع رضی اللہ عنہم اجمعین، اور تابعین میں سے ابوادریس خولانی، ابومسلم خولانی، عبدالرحمٰن بن عسیلہ الصنابحی، حطان الرقاشی، ابوالاشعث الصنعانی، جبیر بن نفیر، جنادہ بن امیہ اور آپ کی اولاد ولید وغیرہم ہیں۔ (الاستیعاب۱/۴۸۵،۴۸۶۔الاصابہ۳/۶۲۵،ترجمہ۴۵۰۰)

اولاد:- علامہ ابن حجرؒ نے آپؓ کی تین اولاد بتائی ہیں: ولید، عبداللہ، داؤد۔ جب کہ ابن سعدؒ نے طبقات میں کہا ہے کہ آپ کے دوصاحبزادے ہیں: ولید، جن کی والدہ جمیلہ بنت ابی صعصعہ ہیں، اور محمد، جن کی والدہ امّ حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا ہیں۔(الاصابہ۳/۶۲۵،ترجمہ۴۵۰۰۔طبقات ابن سعد۳/۵۰۶، طبقات البدریین من الانصار)

وفات: - حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے سلسلے میں دوقول ہیں: (۱) ایک قول یہ ہے کہ آپؓ نے ۳۴ھ میں حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی دورِ خلافت میں ۷۲ سال کی عمر میں ''رملہ'' میں یا ''بیت المقدس'' میں وفات پائی، علامہ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ فلسطین میں انتقال ہوا اور بیت المقدس میں تدفین ہوئی، بعض نے کہا ہے کہ مدینۂ منورہ میں وفات ہوئی، پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ملک شام میں ۴۵ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں وفات ہوئی۔ (الاستیعاب۱/۴۸۵،۴۸۶۔طبقات ابن سعد۳/۵۰۶۔اسد الغابہ۱/۴۷۵۔کتاب الثقات لابن حبان۳/۳۰۳،ترجمہ عبادۃ بن الصامتؓ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

(۱۳) بشیر بن سعد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

نام ونسب: - نام بشیر، کنیت ابوالنعمان، نسب نامہ یہ ہے: بشیر بن سعد بن ثعلبہ بن خلاّس بن زید بن مالک الاغرّ بن ثعلبہ بن کعب بن الخزرج بن الحارث بن الخزرج الانصاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے والد کا نام جُلاس (بتخفیف اللام) بتایا ہے۔ ماں کا نام ونسب یہ ہے: اُنیسہ بنت خلیفہ بن عدی بن عمرو بن امرؤالقیس بن مالک الاغرّ۔(طبقات ابن سعد۳/۴۹۳۔الاصابہ۱/۳۱۱،ترجمہ۶۹۴۔الاستیعاب۱/۱۰۸،۱۰۹،ترجمہ۱۹۴)

آپ کا قبولِ اسلام وبعض حالات:

○ ایک قول کے مطابق حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ ان سعادت مند افراد میں سے ہیں جنہوں نے شروع زمانے میں ہی اسلام قبول کیا، البتہ مؤرخین کے نزدیک آپؓ صرف بیعت عقبۂ ثانیہ میں شریک ہوئے۔

○ آپؓ زمانۂ جاہلیت میں فن کتابت سے واقف تھے۔

○ آپؓ تمام غزوات (بدر، اُحد اور خندق وغیرہ) میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

○ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو بعض سرایا کی امارت بھی سونپی، مثلاً: شعبان ۷ھ میں مقام ''فدک'' میں بنومُرّہ کی جانب تیس (۳۰) آدمیوں پر مشتمل ایک سریّے کا امیر بنا کر بھیجا۔

○ شوال ۷ھ میں فدک اور وادی القریٰ کے درمیان ''یُمن وجَبَار'' کی جانب عیینہ بن حصن فزاری سے مقابلے کے لیے تین سو (۳۰۰) افراد پر مشتمل ایک سریے کے امیر بنائے گئے، فتح وکامرانی کے ساتھ واپسی ہوئی۔

○ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ ۷ھ میں ''عمرۃ القضاء'' کے لیے تشریف لے گئے، احتیاطاً کچھ ہتھیار وغیرہ ساتھ لے لیے، جن افراد کے پاس ہتھیار تھے ان کے امیر حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو بنایا گیا۔

○ جس روز سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کی گئی تو سب سے پہلے بیعت کی سعادت جس شخصیت کے حصے میں آئی وہ حضرت بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ (الاستیعاب ۱/۱۰۸، ۱۰۹، ترجمہ ۱۹۴۔ طبقات ابن ۲/۱۱۲، ۱۱۳)

اولاد: - آپؓ کی دو اولاد تھیں: نعمان اور اُبَیّہ، دونوں کی والدہ عمرہ بنت رواحہ تھیں جو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔

وفات: - آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جنگ یمامہ سے لوٹنے کے بعد ۱۱ھ یا ۱۲ھ میں حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقام ''عینِ تمر'' میں شہادت پائی۔ (معرفۃ الصحابہ ۳۹۷، ترجمہ ۲۹۴۔ اسد الغابہ ۱/۱۲۲، ترجمہ بشیر بن سعدؓ۔ الاصابہ ۱/۳۱۱، ترجمہ ۶۹۴۔ طبقات ابن سعد ۳/۴۹۳، طبقات البدریین من الانصار۔ الاستیعاب ۱/۱۰۸، ۱۰۹، ترجمہ ۱۹۴) رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ

○❖○

عالم اِسلام

عالم اِسلام میں بڑھتی مسلکی خلیج

حضرت مولانا اسرارالحق صاحب قاسمی (ایم پی) وصدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن ذاکر نگر، نئی دہلی

اس وقت عالم اسلام عدیم المثال ابتلاء وآزمایش کے دور سے گزر رہا ہے۔ چند سال پہلے تک دنیا بھر کے مسلمانوں کے دل اس وقت تڑپ اٹھتے تھے جب ارضِ فلسطین سے معصوم فلسطینیوں پر صہیونی ریاست اسرائیل کے مظالم کی خبریں آتی تھیں۔ لیکن اب انتہا یہ ہے کہ عالم اسلام کے بیشتر حصوں میں خود مسلمان ہی مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں، کہیں دہشت گردی کے نام پر تو کہیں مذہب کے نام پر اور کہیں مسلک کے نام پر۔ خون مسلم کی اس ارزانی کے لیے آخر کون ذمہ دار ہے؟ کیا یہ اسرائیل کی سازش ہے کہ مسلمان مسلک کے خانوں میں منقسم ہوکر آپس میں خون خرابہ پر آمادہ ہوگئے ہیں؟ کیا یہ مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لیے امریکہ اور مغربی ملکوں کی سازش ہے؟ اگر واقعی یہ اغیار کی اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کی سازش ہے تو آخر مسلمان اتنے معصوم کیوں ہیں کہ وہ سازش کا شکار ہوجاتے ہیں؟ دراصل اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کا ٹھیکرا کسی اور کے سر پھوڑنا بھی بذات خود نہ صرف ایک سنگین نوعیت کی غلطی بلکہ حقیقت سے منہ موڑنے اور اپنی ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کرنے کی ایک کوشش ہے۔ آج آخر کیا وجہ ہے کہ دنیا کی دوسری قومیں اسباب، وسائل اور تعداد کی کمی کے باوجود سرخ رو ہو رہی ہیں اور مسلمان تعداد، قدرتی وسائل کی کثرت کے باوجود نہ تعلیم وترقی کی دوڑ میں آگے ہیں اور نہ ہی دنیا کو امن وسکون فراہم کر رہے ہیں، بلکہ اس کے برعکس آج لفظ 'مسلمان' ہی دہشت گردی، قتل و غارت گری، بدامنی و انتشار کی علامت بن کر رہ گیا ہے اور اس کا خمیازہ گیہوں کے ساتھ گھن پسنے کے مترادف ان مسلمانوں کو بھی بھگتنا پڑتا ہے جو ان لعنتوں سے کوسوں دور ہیں۔

ابھی سعودی عرب اور اس کے اتحادی ممالک شیعہ باغیوں کو کچلنے کے نام پر یمن میں ان کے ٹھکانوں پر بم برسا رہے ہیں۔ یمن میں باغیوں کے خلاف اس فوجی کارروائی کے لیے امریکہ فوجی ساز وسامان اور انٹیلی جنس سپورٹ فراہم کر رہا ہے۔ اس حملے میں بھی مسلمان کے ہاتھوں مسلمان ہی قتل و

غارت گری کا شکار ہورہے ہیں۔ابھی تک زائد از ۱۰۰۰لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔حملوں کے باوجود شیعہ باغیوں کی پیش قدمی نہیں رکی ہے اور سعودی عرب کے کئی شہران کے اسکڈ میزائیلوں کے نشانہ پر ہیں۔سعودی عرب نے کہا ہے کہ یہ حملے اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک کہ باغی ہتھیار نہ ڈال دیں۔فضائی حملوں کے ساتھ ساتھ علاقائی عرب فوجی فورس بنانے اور یمن میں زمینی کارروائی شروع کیے جانے کی بھی اطلاعات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جنگ کئی ماہ تک جاری رہ سکتی ہے۔اگر شیعہ باغیوں نے جو تمام تر فوجی ساز و سامان سے لیس ہیں، جوابی طور پر سعودی مشیروں پر میزائیل داغے تو امکان ہے کہ پاکستان بھی اس جنگ میں کود پڑے کیوں کہ وزیر اعظم نواز شریف نے کہا ہے کہ اگر سعودی عرب کی سالمیت پر کوئی خطرہ نظر آیا تو وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکیں گے۔

اس سے بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ لڑائی نہ صرف طویل ہوگی بلکہ اس کا دائرہ بھی بڑھے گا۔یمن کے صدر عبدربہ منصور ہادی جنھیں شیعہ باغیوں نے ملک سے فرار ہونے پر مجبور کردیا ہے واضح طور پر کہا ہے کہ شیعہ باغی ایران کے آلۂ کار ہیں۔مصر کے صدر السیسی نے بھی شرم الشیخ میں عرب قائدین سے خطاب کرتے ہوئے ایران کا نام لیے بغیر کہا کہ یمن میں بیرونی مداخلت (ایران) کی وجہ سے عرب ممالک کے استحکام کو زبردست خطرہ لاحق ہو گیا تھا لہٰذا فوجی کارروائی ناگزیر ہو گئی تھی۔لیکن ایران نے اس الزام کو لغو قرار دیتے ہوئے سعودی کے زیر قیادت فوجی کارروائی کی مذمت کی ہے۔ان الزامات اور جوابی الزامات کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس وقت پورا عرب علاقہ شیعہ،سنی کے مسلکی خانوں میں منقسم ہو گیا ہے اور یہ لڑائی سعودی عرب بنام حوثی باغی نہیں بلکہ سنی بنام شیعہ ہے۔سعودی عرب اور ایران کے درمیان رقابت کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن اس بار یہ رقابت جنگ میں تبدیل ہو گئی ہے جس کے خطرناک نتائج سامنے آسکتے ہیں۔

یمن کے شیعہ باغی اس ملک کی آبادی کا کم و بیش ایک تہائی حصہ ہیں۔اگر چہ یمن کے باغی اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ انھیں ایران سے کوئی مدد مل رہی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایران ان کی حمایت کرتا رہا ہے۔دوسری طرف یمن کے صدر عبدربہ منصور ہادی کو سعودی عرب،کویت،،بحرین،متحدہ عرب امارات،قطر،عمان پر مشتمل خلیج تعاون کونسل کی حمایت حاصل ہے۔اب یہ ممالک باغیوں کے خلاف فضائی حملے کر رہے ہیں اور ضرورت پڑی تو زمینی حملے بھی شروع کریں گے۔اس طرح یہ جنگ واضح طور پر شیعہ

اور سنی کے درمیان جنگ کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ دوسری طرف داعش جو سنیوں کی جماعت ہے، شیعہ باغیوں کے خلاف اس جنگ میں اپنی شمولیت کے لیے زمین تلاش کر چکی ہے اور اس نے گزشتہ ہفتہ ہی شیعوں کی دو مساجد پر خودکش حملہ کر کے ۱۳۰ر سے زائد لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ سعودی حملے کے ساتھ اس قسم کے حملے یقینی طور سے شیعہ سنی خلیج کو وسیع کریں گے۔ عراق اور شام میں شیعہ سنیوں کے درمیان کھلی لڑائی اب تک ہزار ہا مسلمانوں کا خون بہا چکی ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ دنیا کے جس خطے میں قرآن نازل ہوا اور جہاں سے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی آخر الزماں کے طور پر منتخب فرمایا، آج وہ علاقہ مسلمانوں کے مابین نفاق اور تقسیم کی علامت بنتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ نسل، مسلک، ثقافت، سیاسی نظریات کے نام پر مسلمان باہم برسرِ پیکار ہیں جبکہ اسلام کی تعلیمات صرف مسلمانوں میں ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کے مابین اتحاد و یکجہتی اور بھائی چارہ قائم کرنے پر زور دیتی ہیں۔ عالم اسلام کے ان حالات پر نظر ڈالیں تو اس لحاظ سے ہندوستانی مسلمان قابلِ تعریف ہیں کہ وہ کم از کم ان لعنتوں سے دور ہیں، جن کی گرفت میں آج دنیا کے تقریباً سبھی ۵۷ر مسلم ممالک نظر آتے ہیں۔ خواہ فلسطینی مسلمانوں پر اسرائیل کے مظالم ہوں یا آرٹ آف لیونگ کے بانی شری شری روی شنکر کے خلاف داعش کی دھمکیاں؛ تمام موقعوں پر ہندوستان کے شیعہ سنی طبقات نے اتحاد کا ثبوت دیا ہے اور یہی مسلمان ہونے کا تقاضہ بھی ہے۔ کاش کہ آج دنیا بھر کے مسلمان قرآن کریم کی اس دعوت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتے، جس میں اللہ نے ملت اور امت کی حیثیت سے تمام مسلمانوں کو ایک اور متحد ہونے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ''تم آپس میں مت جھگڑو کہ تم ناکام ہو جاؤ اور تمھاری ہوا اُکھڑ جائے'' (الانفال) آج عالمی سطح پر مسلمانوں کی ہوا یقیناً اکھڑ چکی ہے اور قرآن نے جس خطر سے انھیں پندرہ سو سال پہلے آگاہ کر دیا تھا، ان کی غفلت، بے شعوری اور دین بیزاری کی وجہ سے وہ حقیقت بن کر ان سے چمٹ گیا ہے۔ دنیا بھر میں مسلمان ذلت و خواری کی علامت اور نشانی بنے ہوئے ہیں، کہیں بھی نہ تو مسلمانوں کی جانیں محفوظ ہیں، نہ مال اور نہ ہی عزت و آبرو۔ کسی ملک میں ان کے پیچھے یہود و نصاریٰ اور ہنود پڑے ہوئے ہیں، تو کہیں وہ خود ہی اپنے بھائی کی گردن مارنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ایسی سنگین صورتِ حال میں اتحاد و اتفاق کے بغیر کسی بھی خیر اور مثبت تبدیلی کی توقع فضول ہے۔

❍❖❍

کتاب المسائل: مفتی محمد سلمان منصور پوری

تحریری طلاق سے متعلق مسائل

بلاشرط تحریری طلاق

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کے نام خط میں صاف الفاظ میں لکھا، ''اے فلاں بنت فلاں تجھے طلاق'' یا ''میں نے فلاں بنت فلاں کو طلاق دی'' تو اس تحریر کے لکھتے ہی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی، بیوی تک طلاق نامہ پہنچنا اور بیوی کا اس کو وصول کرنا طلاق واقع ہونے کے لئے شرط نہیں۔

ثم إن كتب على وجه المرسوم ولم يعلقه بشرط بأن كتب: أما بعد! يا فلانة فأنت طالق، وقع الطلاق عقيب كتابة لفظ "الطلاق" بلا فصل، لما ذكرنا أن كتابة قوله: "أنت طالق" على طريق المخاطبة بمنزلة التلفظ بها. (بدائع الصنائع بيروت ٤/ ٢٤٠، الفتاوىٰ الهندية ١/ ٣٧٨)

طلاق نامہ ملنے کی شرط پر تحریر طلاق

اگر طلاق نامہ میں لکھا کہ ''جب تجھے میرا یہ خط پہنچے تو تجھے طلاق'' تو فوراً طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ طلاق نامہ بیوی تک پہنچنے پر طلاق کے وقوع کا حکم ہوگا البتہ اس صورت میں طلاق واقع ہونے کے لیے بیوی کا طلاق نامہ پڑھنا شرط نہیں ہے بلکہ صرف طلاق نامہ پہنچنا کافی ہے۔

وإن علق طلاقها بمجيئ الكتاب بأن كتب: إذا جائك كتابي فأنت طالق فجاء ها الكتاب فقرأته أو لم تقرأ يقع الطلاق، كذا في الخلاصة. (شامی زكريا ٤/ ٤٥٦، مستفاد: بهشتی زيور كراچی ١/ ٥١٣، وهكذا في الفتاوىٰ التاتار خانية ٤/ ٥٢٨ رقم: ٦٨٣٦- ٦٨٣٧ زكريا، الفتاوىٰ الولوالجية ٢/ ٨٠-٧٩)

طلاق کا مضمون پڑھ کر دستخط کرنا

اگر کسی دوسرے شخص نے طلاق نامہ لکھ کر دیا اور شوہر نے پڑھ کر بلا جبر واکراہ اس پر دستخط کردئے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی۔

رجل استكتب من رجل اٰخر إلى امرأته كتاباً بطلاقها، فقرأه على الزوج، فأخذه وطواه وختم وكتب في عنوانه وبعث به إلى امرأته، فأتاها الكتاب، وأقرّ الزوج أنه كتابه فإن الطلاق يقع عليه. (الفتاوىٰ الهندية ۳۷۹/۱، شامي زكريا ٤٥٦/٤، تاتارخانية زكريا ٥٣١/٤ رقم ٦٨٤٣)

طلاق نامہ پر دھوکہ سے شوہر کے دستخط کرانا

اگر کسی دوسرے نے طلاق نامہ لکھ کر شوہر سے دھوکہ سے دستخط کرالئے اور شوہر نے مضمون پڑھے بغیر دستخط کردئے، بعد میں اس کو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی کے نام وہ طلاق نامہ تھا، تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وكذٰلك كل كتاب لم يكتبه بخطه، ولم يمله بنفسه، لا يقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه، كذا في المحيط. (الفتاوىٰ الهندية ۳۷۹/۱، شامي زكريا ٤٥٦/٤، زكريا ٥٣١/٤ رقم ٦٨٤٣، الفتاوىٰ التاتارخانية كراچی ۳۸۰/۳)

سادہ کاغذ پر انگوٹھا لگانے سے طلاق نہیں ہوتی

سادہ کاغذ پر الفاظِ طلاق لکھے بغیر محض انگوٹھا لگانے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، تندرست (بولنے پر قادر) آدمی کے لئے طلاق دینے کے لئے الفاظِ طلاق کا تلفظ یا بیوی کی عدم موجودگی میں ان کو کاغذ پر لکھنا ضروری ہے، اس کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

كل كتاب لم يكتبه بخطه، ولم يمله بنفسه لا يقع به الطلاق إذا لم يقر أنه كتابه، كذا في المحيط. (الفتاوىٰ الهندية ۳۷۹/۱، مستفاد: فتاوىٰ محموديه ڈابھيل ٦٢٥/١٢، الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٣١/٤ رقم ٦٨٤٣ زكريا)

بیوی کے سامنے تحریر لکھ کر طلاق دینا

اگر کسی ایسے شخص نے جو خود بولنے پر قادر تھا، بیوی کے سامنے کاغذ وغیرہ پر لکھ کر طلاق دی اور زبان سے کچھ نہیں کہا تو اس سے بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ جو شخص بیوی کے سامنے بولنے پر قادر ہو تو اس کی تحریر زبانی طلاق دینے کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، عام کتب فتاویٰ میں یہی تحریر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲۱۲/۱۸، منتخبات نظام الفتاویٰ ۱۶۴/۲-۱۶۶)

إيماء الأخرس وكتابته كالبيان (درمختار) لكن في الدر المنتقى عن الأشباه: أنه في حق الأخرس يشترط أن يكون معنونا وإن لم يكن لغائب، وظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر. (شامی ٧٣٧/٦ کراچی، ٤٦١/١٠ زکریا، مسائل بهشتی زیور)

کاتب کو طلاق لکھنے کا حکم دیا لیکن اس نے نہیں لکھا؟

کسی کاتب سے کہا کہ میری بیوی کی طلاق لکھ دے؛ لیکن کاتب نے طلاق نامہ نہیں لکھا پھر بھی اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی؛ اس لئے کہ کاتب کو طلاق لکھنے کا حکم دینا بجائے خود طلاق کا اقرار ہے، اور اقرار سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

ولو قال للكاتب أكتب طلاق امرأتي كان إقراراً بالطلاق وإن لم يكتب. (شامی زکریا ٤٥٦/٤، الفتاویٰ التاتار خانیة ٥٣١/٤، مستفاد: فتاویٰ دار العلوم دیوبند ١٦٠/٩) **لو أقر بالطلاق كاذباً أو هازلاً وقع.** (شامی کراچی ٢٣٦/٣)

وکیل سے ایک طلاق لکھنے کو کہا تھا اس نے تین لکھ دی

وکیل سے کہا کہ میری بیوی کو ایک طلاق لکھ دو، اس نے تین لکھ دی، تو ایک طلاق تو فوراً واقع ہوجائے گی، اور باقی دو طلاقیں شوہر کی نیت وارادہ پر موقوف ہوں گی؛ لہٰذا اگر شوہر نے ان تینوں کو بھی نافذ کردیا تو تینوں واقع ہوجائیں گی اور دو کو نافذ کیا تو دو واقع ہوں گی، اور اگر مابقیہ دونوں کی تردید کردی تو صرف پہلی والی ایک طلاق واقع ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ١٨٣/٩)

مستفاد: و إذا قال لغيره "طلق امرأتي و احدة رجعية" فطلقها واحدة بائنة أو قال لها "طلقها واحدة بائنة" فطلقها واحدة رجعية تقع تطليقة على حسب ما أمره الزوج ذكره في الأصل، وفي الولوالجية: رجل وكل وكيلا أن يطلق امرأته فطلق الوكيل ثلاثا فإن نوىٰ الزوج ثلاثا صح و إن نوىٰ لم ينو لا يصح عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. (الفتاویٰ التاتارخانیة ٤٩٧/٤ رقم ٦٧٥٦ زکریا)

سادہ کاغذ پر صرف لفظ ''طلاق'' لکھ کر بیوی کو بھیجنا

اگر بیوی کے پاس سادہ کاغذ پر طلاق کی نیت سے صرف لفظ ''طلاق'' لکھ کر بھیج دیا تو طلاق واقع

ہوجائے گی۔

كتب الطلاق إن مستبيناً على نحو لوحٍ وقع إن نوى. (درمختار) هٰذا في المكتوب على غير وجه الرسم والرسالة. (طحطاوي على الدر بيروت ۱۱۱/۲، مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ۵۸۳/۱۲، فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۹۷/۹)

پرچے پر تین طلاق لکھ کر پھاڑ دیا

اگر کسی شخص نے پرچے پر اپنی بیوی کے نام یہ لکھا کہ ”تجھے تین طلاق“ پھر پرچے کو پھاڑ دیا تو اس کی بیوی پر تین طلاق لکھتے ہی واقع ہوجائے گی؛ اس لیے کہ لکھ کر پرچہ پھاڑنے سے لکھی ہوئی طلاق کالعدم نہیں ہوئی؟

ثم المرسومة لا تخلوا إما أن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هٰذا، يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (هندية ۳۷۸/۱، شامی زكريا ٤٥٦/٤) **ثم إن كتب على وجه المرسوم ولم يعلقه بالشرط بأن كتب أما بعد! يا فلانة فأنت طالق، وقع الطلاق عقيب كتابة لفظ ”الطلاق“ بلا فصل.** (بدائع الصنائع بيروت ٢٤٠/٤، هندية ۳۷۸/۱، وهكذا في تاتارخانية زكريا ٥٢٨/٤ رقم ٦٨٣٦، الولوالجية ۷۹/۲)

بیوی نے طلاق نامہ پھاڑ دیا یا جلا دیا

اگر بیوی نے مرسومہ طلاق نامہ پڑھے بغیر اسے پھاڑ دیا یا جلا دیا تو اس سے لکھی ہوئی طلاق پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، طلاق بہرصورت واقع ہوجائے گی۔

ثم المرسومة لا تخلوا إما أن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هٰذا، يقع الطلاق، وتلزمها العدة من وقت الكتابة. (شامی زكريا ٤٥٦/٤، الولوالجية ۷۹/۲ مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل ٦٣٧/١٢)

زبردستی طلاق لکھنے یا دستخط کرنے پر مجبور کرنا

اگر کسی شخص کو ڈرا دھمکا کر طلاق لکھنے یا طلاق نامہ پر دستخط کرنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے مار پیٹ

کے خوف سے الفاظِ طلاق تحریر کردے یا دستخط کردے اور زبان سے کچھ نہ کہا تو اس سے بیوی پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی۔

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان، فكتب: امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق، لا تطلق امرأته؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هٰهنا. (فتاوىٰ قاضي خان ٤٧٢/١، هندية ٣٧٩/١، تاتارخانية ٥٣٢/٤ رقم ٦٨٤٣)

''اِی میل'' کے ذریعہ طلاق

''اِی میل'' کے ذریعہ جو طلاق نامہ بھیجا جائے، اُس سے بھی طلاق واقع ہوجائے گی، جب کہ یہ قرینہ پایا جائے کہ یہ میل شوہر ہی نے بھیجا ہے۔

ثم إن كتب على وجه المرسوم ولم يعلقه بشرط بأن كتب: أما بعد! يا فلانة فأنت طالق، وقع الطلاق عقيب كتابة لفظ "الطلاق" بلا فصل، لما ذكرنا أن كتابة قوله: "أنت طالق" على طريق المخاطبة بمنزلة التلفظ بها. (بدائع الصنائع بيروت ٢٤٠/٤، الفتاوىٰ الهندية ٣٧٨/١)

موبائل پر میسج کے ذریعہ طلاق

اگر شوہر نے بیوی کے موبائل پر طلاق کا میسج لکھ کر بھیجا، اور بعد میں وہ اِس کا اِقرار بھی کرتا ہے کہ میں نے ہی میسج بھیجا ہے، تو میسج میں جتنی طلاق لکھی ہوں گی اُتنی ہی طلاق بیوی پر واقع ہوجائیں گی۔

لما ذكرنا أن كتابة قوله "أنت طالق" على طريق المخاطبة بمنزلة التلفظ بها.

(بدائع الصنائع ٢٤٠/٤)

''واٹس اَپ'' پر ''وائس میسج'' کے ذریعہ طلاق

اگر ''واٹس اَپ'' میں ''وائس میسج'' (ٹیپ شدہ آواز) کے ذریعہ طلاق دی اور شوہر کے اقرار یا دیگر قرائن سے یہ یقین ہوجائے کہ یہ شوہر ہی کی آواز ہے، تو اس وائس میسج کے ذریعہ بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔

مستفاد: ولو أقر بالطلاق كاذبًا أو هازلاً وقع. (شامي ٢٣٦/٣ كراچی)

❍❖❍

نعت:

آپ ﷺ کا مذہب سب سے سچا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

جناب ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی ادارۂ مطالعات فارسی علی گڈھ

روشن روشن حق کا رستا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے
راہ نما سرکار کا اُسوہ، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

آقا کا دم بھرنے والے آج بھی ہیں اور کل بھی تھے
دنیا کا اپنا ہنگامہ، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

آپ ﷺ کی باتیں، آپ کی سیرت: سب سے اَچھی، سب سے عظیم
آپ ﷺ کا مذہب سب سے سچا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

اَوراقِ تاریخ کی آنکھیں اِس کی گواہی دیتی ہیں
سب سے روشن آپ ﷺ کا چہرہ، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

دنیا ہماری دیکھی بھالی، آج بھی ہے اور کل بھی تھی
اُن سے تعلق اپنے دل کا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

آج بھی ہیں ہم راہِ حق پر، راہِ حق پر کل بھی تھے
آنکھوں میں سرکار ﷺ کا جلوہ، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

آپ ﷺ سے اُلفت رکھنے والے باطل سے کیوں خائف ہوں؟
یہ تو سارا کھیل تماشا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

جو کچھ مرے نبی ﷺ نے دیکھا اپنی چشم تر سے رئیسؔ
اہلِ جہاں کا وہ اَن دیکھا، کل بھی تھا اور آج بھی ہے

❍❖❍